اسلام میں عدل اجتماعی

دوسری حقیقت یہ ہے کہ یورپ اور امریکہ کی صلیبی سامراجیت کے لئے اس بات کو نظر انداز کر دینا ناممکن ہے کہ اسلامی روح سامراجیت کی راہ میں ایک زبردست روڑا ہے جسے پارہ پارہ کر دینے یا اپنی جگہ سے ہٹا دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ بعض زرخرید یا فریب خوردہ لوگوں کی یہ بات بالکل لغو ہے کہ یورپ دین و مذہب کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اسے کسی طاقت کا منبع نہیں سمجھتا اور اگر عالم اسلامی سے کچھ خطرہ محسوس کرتا ہے تو صرف اس کی مادی طاقت کے سبب۔ دین دراصل نام ہے ایک روحانی قوت کا جس میں مادّی قوتوں کو اکسانے اور ابھارنے کی بے پناہ تاثیر پنہاں ہے۔ پھر اسلام اور مسیحیت میں ایک بنیادی فرق ہے۔ اسلام ہر طرح کی بنیادی تیاریاں کرنے جم کر مقابلہ کرنے، اور ہر طرح کی قربانیاں دینے پر ابھارتا ہے اور کمزوری کا شکار ہو کر ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دینے والو کو دنیا اور آخرت دونوں میں برے انجام کی دھمکی دیتا ہے:۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ۔ (الانفال: ۶۰)

"اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلہ کے لیے تیار رکھو تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ کر سکو۔"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (النساء: ۱۴۴)

"اے ایمان لانے والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔"

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ (النساء: ۷۴)

"اللہ کی راہ میں لڑنا چاہیئے ان لوگوں کو جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو فروخت کریں۔"

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ (آل عمران: ۱۳۹-۱۴۰)

"دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔ اس وقت اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسے ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے۔"

Marfat.com

معلوم ہوا کہ دین ایک روحانی قوت ہے اور مادّی طاقت بہم پہنچانے کے لیے ایک للکار بھی ہے۔ دین ہر
لہ کے مقابلے میں خود ایک چٹان ہے اور جم کر مقابلہ کرنے کی تلقین بھی ہے۔ امریکی اور یورپین استعمار کے لیے اس
لے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس دین کا دشمن بن کر رہے۔ اسلام دشمنی کے مظاہر مختلف قوموں کے طرزِ استعمار کے ساتھ
تلف ہوتے رہتے ہیں اور احوال وظروف کے ساتھ نئی نئی شکلیں اختیار کر رہے ہیں۔ مثلاً فرانس نے مغرب کے سارے
ب ممالک میں اسی دشمنی کے تحت بربر قوم کی محافظت یا کسی اور بہانے کے سارے اسلام کے خلاف کھلم کھلا جنگ
اعلان کر رکھا ہے۔ دمشق میں اس کے نمائندے دن دہاڑے یہ اعلان کرتے ہیں کہ وہ صلیبی مجاہدین کی نسل سے ہیں۔
لستان مکر و فریب کی راہ اختیار کرتا ہے اور خاموشی اور اخفاء کے ساتھ مصر کے تعلیمی اداروں میں اپنے
ذکی راہیں نکالتا ہے تاکہ ایک ایسی ذہنیت پروان چڑھائے جو اسلامی زندگی، بلکہ مشرقی زندگی کی ساری قدروں
قارت کی نظر سے دیکھے۔ جب وہ اس ذہنیت کے حامل اساتذہ کی ایک پوری نسل کو تیار کر چکا تو اس نے ان کو
ں اور دوسرے تعلیمی اداروں میں پھیلا دیا تاکہ وہ آئندہ نسلوں کے ذہن کو اس سانچہ میں ڈھالیں اور
نصاب اور لائحہ عمل تیار کریں جو اس ذہنیت کو پروان چڑھائیں۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے اس بات کا پورا
ام کیا کہ وزارتِ تعلیم کے ان مناصب سے جو رہنمائی اور پالیسی وضع کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں اسلامی
یب کی سچی نمائندگی کرنے والے عناصر کو دور رکھا جائے۔ اس مہم کو ایک ایسے طبقہ کے سپرد کرنے کے بعد جو
عام ذہنیت کی تشکیل میں بہت زیادہ مؤثر ہے۔ انگریزوں کو اس کی ضرورت باقی نہیں رہی کہ دینی رجحانات
ف کھلم کھلا جنگ کریں۔ جہاں تک جنوبی سوڈان کا تعلق ہے وہاں اسے ان چالوں کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔
اس کا جو موقف تھا وہ مسیحی مبلغین اور مسلمان تاجروں کے سلسلہ میں اس پالیسی سے سامنے آتا ہے جسے ہم اوپر
چکے ہیں۔ اور امریکہ ایسے حالات پیدا کرتا ہے اور ایسے طریقے رائج کرتا ہے کہ پورے عالم اسلامی میں اسلام کے
اخلاق اور تحریکیت کو پامال کر کے اسے فنا کے گھاٹ اتار سکتا ہے۔

تمام استعماری ممالک اس دین کی دشمنی اور تخریب کے سلسلے میں گزشتہ کئی صدیوں سے ایک ہی
چل رہے ہیں۔ اور ابھی تک وہ اس سوچی سمجھی روش پر پورے اتفاق و تعاون کے ساتھ چل رہے ہیں۔
یقت کا مشاہدہ صاف طور پر اس موقف کے اندر کیا جا سکتا ہے جو مغربی اقوام نے ہر اس مسئلہ میں اختیار
ہے جس کا اسلام سے دور یا نزدیک کوئی بھی تعلق ہے۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک میں یہودیوں کا اقتصادی اثر مغرب کو اس

Marfat.com

سمت میں لے جا رہا ہے، یا جن کے خیال میں انگریزوں کے اغراض اور اینگلو سیکسن اقوام کا مکر
انہیں اس روش پر چلا رہا ہے، یا جن کے نزدیک فیصلہ کن چیز مغربی بلاک اور مشرقی بلاک کا باہمی
ہے۔ سب کے سب معاملہ کے ایک ایسے پہلو کو نظر انداز کر رہے ہیں جس کا ان تمام عوامل کے ساتھ
اضافہ ضروری ہے۔ یہ پہلو وہ صلیبی ذہنیت ہے جو مغرب کے رگ و پے میں سرایت کر چکی ہے اور
کی ذہنیت میں راسخ ہو چکی ہے۔ استعمار کو روحِ اسلام سے جو خطرہ لاحق ہے اس کے تحت اسلام
قوت کو کچل دینے کی کوشش نے سارے اہل مغرب کو اسلام کے خلاف متحد کر رکھا ہے۔ اسلام دشمن
نے اشتراکی روس اور سرمایہ دار امریکہ کو ایک صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ عالمی صہیونی تحریک نے اسلام
میں اور اس کے خلاف مغرب کی صلیبی استعماری دنیا نیز مشرق کی اشتراکی مادی دنیا دونوں
اسلام دشمن عناصر کو متحد کرنے میں جو حصہ لیا ہے اسے بھی نہ بھولنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ہجرت کر کے مدینہ آنے اور اسلامی حکومت کے قائم ہونے سے آج تک یہودیوں نے
مسلسل یہی کام کیا ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ ان تمام طوفانوں کے باوجود جن سے اس کشتی کو شروع سے سا
رہا، ان اثرات کے علی الرغم جو اتنی جلد ان حملوں سے دوچار ہونے کے باعث اس کے نو زائد
نظام پر مرتب ہوئے۔ پھر دورِ جدید میں مغربی تہذیب کے اپنے مادی اور ثقافتی طاقتوں سے
چھا جانے اور بہت سے مسلمانوں کو اسلام کی تخریب کے لئے استعمار کا آلۂ کار بنانے کے باوجود
خود روحِ اسلام پوری طرح محفوظ رہی۔ جو قوت اس میں مضمر تھی وہ پوری انسانی زندگی پر اثر
ہوتی رہی۔ اور چودہ سو سال تک ہمارے دور تک عالمی سیاست اور اس کے رُخ پر برابر اثر
ہوتی چلی آ رہی ہے۔ دنیا میں کوئی سیاسی یا عسکری حرکت نہ رہی جس میں اسلام کا کوئی حصہ
ہو۔ یہ بات آج بھی صحیح ہے، اگرچہ دنیائے اسلام کی سماجی، معاشی اور روحانی زندگی بری
انتشار و اختلال کا شکار ہے۔

عالمِ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ

درحقیقت پژمردگی اور گوشہ گیری کا دور اب گزر چکا۔ اور ان زبردست حملوں

Marfat.com

احیاء اسلام کے علمبرداروں پر ہر جگہ کئے جا رہے ہیں۔ اسلام ایک بار پھر سیلاب کی طرح امنڈ رہا ہے
سلام کے اندر مضمر قوت حیات کے یہ ایسے مظاہر ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ثابت کرنے
یا کہ اسلام کے پاس قوت کا اتنا سرمایہ موجود ہے کہ ایک اسلامی زندگی کا از سر نو آغاز عمل میں لایا جا سکے۔
ہی زندگی جو صرف آرزوؤں اور فالِ نیک کے سہارے نہیں بلکہ ایسی عملی اور ٹھوس بنیادوں پر
ئم ہو جن کو آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہو۔ اسلامی زندگی کی تشکیلِ نو آج بکھرے عناصر کو یکجا
نے اور تعمیرِ نو کی دوسری تیاریوں کے مرحلے سے گزر رہی ہے، باوجود ان مشکلات و موانع کے
ن کا اسے مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے اور جن کے سبب کبھی کبھی اسے رک جانے یا چند قدم پیچھے ہٹ جانے پر
ا مجبور ہونا پڑتا ہے۔ لیکن یہ مشکلات و موانع محض حباب بر آب ہیں جو خود فنا ہو جائیں گے۔ یہ موسم گرما
بادل ہیں جنھیں ہوائیں اڑا کر لے جائیں گی۔

میں اس بات میں پختہ اور غیر مشروط یقین رکھتا ہوں کہ عالم اسلامی میں اسلامی زندگی کی تجدید
ن ہے اور مستقبل میں اسلام صرف چند ممالک کا نہیں بلکہ دنیا کا نظام بن جانے کی صلاحیت رکھتا
۔ لیکن میں اس یقین کے باوجود یہ نہیں چاہوں گا کہ خیالی جوش و خروش کی رو میں بہہ کر یہ دعویٰ کر بیٹھوں کہ
ئی آسان کام ہے۔ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ اس راہ میں متعدد عظیم مشکلات حائل ہیں۔ بہت سے
ے بڑے کام ایسے ہیں جن کو انجام دیئے بغیر ہم خود اسلامی سوسائٹی میں بھی حقیقی اسلامی زندگی کی تجدید کی
ہ نہیں کر سکتے۔ ان عظیم مشکلات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ اور ان ضروری کاموں کی نیچ نشان دہی ایک اہم
ہے جس مقصد کو ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس کی بلندی اور اس مقصد کے لئے کمربستہ ہونے والوں پر
ہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان کی عظمت، دونوں کا شعور اس بات کا تقاضا کرتا ہے۔

خواہش کے عمل کا جامہ پہننے اور امید کے عملاً بر آنے کے لئے صرف جوشیلے نعرے کافی نہیں بلکہ ضرورت
اس راہ کی مشکلات اور ذمہ داریوں کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرایا جائے اور ان لوگوں کو ان نعروں کے
جوش دلانا مقصود ہے ان کو اس عظیم جد و جہد پر کمربستہ کر دیا جائے جو اس راہ میں کامیابی کے لئے
ہے۔

قدرتی طور پر عرصہ دراز تک نظام حکومت اور روح اسلام کے درمیان جو فاصلہ رہا ہے اس کے
اب اسلامی طرز حکمرانی کو اپنانا ایک مشکل کام ہو گیا ہے۔ آج سیاسی اور سماجی نظام زندگی کی ہی...

Marfat.com

مختلف قدریں اور ضابطے اور نفسیاتی اور ذہنی رجحانات چند متعین بنیادوں پر قائم ہیں جن کو بدلنا
تک کا، جدوجہد کے بعد ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ جتنا زیادہ زمانہ گزرتا جائے گا اتنی ہی مشکل بڑھتی جائے گ
اور اتنی ہی زیادہ، اتنے ہی طویل عرصہ تک جدوجہد کی ضرورت ہوگی۔

زمانی بعد کے علاوہ ایک دوسرا عامل بھی کام کر رہا ہے۔ اس دنیا میں ہم اکیلے نہیں اور نہ
دنیا سے کنارہ کش ہو کر رہتے ہیں۔ ہمارے بہت سے مسائل و مصالح دنیا کے دوسرے ممالک سے وا
ہیں جن پر ایک ایسی تہذیب چھائی ہوئی ہے جو جیسا کہ ہم آگے بتائیں گے اسلامی ذہنیت کی بالکل ضد ایک
دوسری ذہنیت کی حامل ہے۔ یہ بات بھی اسلامی زندگی کی تجدید نو کے سلسلے میں ہمارے قدموں کو سست
ہے۔ اور ہماری ذمہ داریوں میں بہت سے اضافے کر دیتی ہے۔

یہ حقیقت اس آخری عامل کی اہمیت میں مزید اضافہ کر دیتی ہے کہ مغربی دنیا جس سے ہمارے
مفادات وابستہ ہیں۔ اب ہم سے بہت زیادہ طاقتور ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور کی طرح اب ہم اس پر غا
نہیں ہیں، نہ ہمارے پاس اتنی قوت ہے کہ ہم اس کا مقابلہ کر سکیں۔ پھر وہ ہماری اور خاص طور پر ہمارے
دشمن بھی ہے۔ وہ یہ کسی طرح بھی گوارا نہیں کر سکتی کہ ہم اسلامی نظام کی از سر نو تعمیر عمل میں لائیں اور حقیقی
زندگی کا پھر سے آغاز کریں۔ اب ایسا کرنا غیر معمولی جدوجہد کے بغیر ممکن نہیں۔ اوسط درجہ کی کوشش
اس شکل میں کارگر ہو سکتیں تھیں جب ہم مغرب پر حاوی ہوتے یا کم از کم اس کے برابر طاقتور ہوتے، یا وہ
اور اس دین کا جس کی طرف ہم لوٹنا چاہتے ہیں دوست اور خیر خواہ ہوتا۔

لیکن ان باتوں کا یہ مطلب نہیں کہ اسلامی نظام کو دوبارہ اختیار کرنا محال ہے۔ ان کا مطلب
ایک بہت عظیم اور دشوار کام ہے اور اس کے لئے غیر معمولی کوششوں کی ضرورت ہوگی۔ اس کا اہم
ہے کہ اس پورے جوش و خروش کے ساتھ ایمان لایا جائے۔ اس کی راہ میں جو مصائب جھیلنے ہوں گے
برداشت کرنے کی جرأت پیدا ہو۔ اس کے لئے پُر مشقت اور اَن تھک کوششیں کرنا ہوں گی، ان کو
جائے۔ اور اس بات میں گہرا یقین پیدا ہو جائے کہ آج اسلامی دنیا اور ساری انسانیت کو اس نظام کی
ضرورت ہے۔ جو موجودہ نظام میں جوڑ پیوند لگا کر کام نہ چلانا چاہے بلکہ وہ از سر نو ایک مکمل جدید
قائم کرنے کا عزم رکھتی ہے۔

اس ضمن میں اس حقیقت کا ذکر غالباً بر محل ہوگا کہ موجودہ مغربی تہذیب پچیس سال

Marfat.com

صدمیں دنیا کو دو بار عالم گیر جنگوں سے دوچار کر چکی ہے۔ دوسری جنگ کے بعد اس نے دنیا کو مغربی اور مشرقی دو مستقل بلاکوں میں تقسیم کر دیا ہے اور اب ہر آن ایک تیسری جنگ کا خطرہ لاحق ہے۔ ہر جگہ اضطراب و بے چینی عام ہے۔ دنیا کے تین چوتھائی علاقہ میں فقر و فاقہ اور افلاس کا دور دورہ ہے۔ دنیا کا نظم متزلزل ہے اور وہ تعمیر نو کے لیے نئی بنیادیں تلاش کر رہی ہے۔ اس کو کسی ایسی نئی روحانی طاقت کی ضرورت ہے جو ایک بار پھر انسان کو انسانیت کے اُصول سکھا دے۔

ان باتوں کے باوجود ہمیں مغربی دنیا کے اسلامی تہذیب کی بنیادوں کو قبول کر سکنے کی صلاحیت کے بارے میں زیادہ خوش گمانی میں نہیں مبتلا ہونا چاہیئے۔ یہ معاملہ یکسر مختلف ہے۔ بلاشبہ برنارڈ شا جیسا آدمی کہتا ہے کہ مغربی دنیا کا مُرشد [illegible] ہے۔ وہ پیشین گوئی کرتا ہے کہ مغربی دنیا اسلام کی طرف آرہی ہے۔ وہ کہتا ہے:

"میں نے پیشین گوئی کی تھی کہ مستقبل میں محمدؐ کا دیا ہوا دین یورپ میں مقبول ہو کر رہے گا درحقیقت یہ دین آج بھی یورپ کو پسند آنے لگا ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں عیسائی مذہبی طبقہ نے اپنی ناواقفیت یا گمراہ کن تعصب کی بنا پر اسلام کی تصویر کو زیادہ سے زیادہ خوفناک بنا کر پیش کیا تھا۔ دراصل وہ محمدؐ اور ان کے دین سے نفرت میں حد سے تجاوز کر رہے تھے وہ اُن کو حضرت مسیح کا دشمن سمجھتے تھے۔ یہ سے نزدیک یہ ذہن ہے کہ محمدؐ کو انسانیت کا نجات دہندہ قرار دیا جائے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اگر ان جیسا آدمی آج کی دنیا کی قیادت سنبھال لے تو وہ یقیناً ساری مشکلات کے حل میں کامیاب ہو سکے گا اور دنیا کو امن و فلاح سے بہرہ یاب کر سکے گا۔ آج دنیا ان دونوں چیزوں کی کتنی زیادہ محتاج ہے۔"

"انیسویں صدی کے بعض منصف مزاج مفکرین محمدؐ کے لائے ہوئے دین کی اصل قدر و قیمت کو پوری طرح سمجھ گئے تھے۔ کارلائل، گوئٹے اور گبن انہی میں سے چند ہیں۔ اس کے نتیجہ میں اسلام کے بارے میں یورپ کے نقطۂ نظر میں کچھ خوشگوار تبدیلیاں رونما ہوئیں بیسویں صدی میں یورپ اس سلسلہ میں کافی آگے بڑھ چکا ہے اور محمدؐ کے عقیدہ کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھنے لگا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آنے والی صدیوں میں وہ اور آگے بڑھے اور اپنی مشکلات کے حل کے لیے اس عقیدہ کی طرف رجوع کا پوری طرح قائل ہو جائے

میری قوم اور یورپ کے بہت سے افراد نے حال میں محمدؐ کا دین قبول کر لیا ہے۔ یہ بات ہمیں اس اعلان میں حق بجانب قرار دیتی ہے کہ اسلام کی طرف یورپ کا انقلاب شروع ہو چکا ہے۔"[1]

لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ برنارڈ شا کی یہ پیشین گوئی پیشین گوئی ہی رہی جاتی ہے۔ اگرچہ یہ اندیشہ ضرور ہے کہ یہ بات مسلمانوں کے شعور و احساس کے لیے افیون کا کام نہ کرے کہ وہ چین سے بیٹھ کر انتظار کرنے لگیں کہ یورپ ان کے دین کو کب قبول کرتا ہے؟ بہرحال ایسا ہونے کی توقع، کم از کم یہ کہ، قبل از وقت ہے۔ اس کے دو خاص اسباب ہیں:

پہلا سبب وہ موروثی اسلام دشمنی ہے جو یورپ اور امریکہ کے مزاج میں گہری جڑیں پکڑ چکی ہے آج کل اِس دشمنی میں یہ بات مزید اضافہ کر رہی ہے کہ اس روڑے کا درمیان میں حائل ہونا مشرقی اور مغربی دونوں استعماروں کے خلاف ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ رومن تہذیب کے دور سے عہدِ جدید تک یورپ کی ذہنیت مادّی بُنیادوں پر قائم رہی ہے اور روحانی نقطۂ نظر کا اثر اس پر بہت خفیف ہے۔ یہ بات قدرے تفصیلی گفتگو چاہتی ہے۔ اس کی افادیت صرف اس موضوع تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ اس اہم سوال کا جواب بھی سامنے لاتی ہے کہ کیا اسلامی اور مغربی تہذیب کے درمیان باہم تعاون ممکن ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس کے حدود کیا ہیں؟

پہلے باب میں ہم یہ بتا چکے ہیں کہ یورپ ایک دن کے لیے بھی مسیحی نہیں رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یورپ والوں کے ایک مختصر اور کم پیداآور علاقہ میں آباد ہونے کے سبب وہاں جو کش مکش ہمیشہ جاری رہتی تھی اس نے اس بات کا موقع ہی نہیں دیا کہ مسیحیت کے فراخ دلانہ اُصول ان سنگلاخ زمین میں جڑیں پکڑ سکتے۔ خود مسیحیت کے اپنے مزاج میں جو زہد، عملی زندگی سے کنارہ کشی اور مسائلِ حیات کے حل سے گریز کی جو خصوصیات پائی جاتی ہیں وہ اس پر مستزاد ہیں۔ اب ہم ان دو اسباب پر ایک اور سبب کا اضافہ کرتے ہیں جس کی طرف پہلے باب میں ہم نے صرف ایک ہلکا سا اشارہ کیا تھا۔ وہ سبب یہ ہے کہ مضبوطی

---

[1] "حیاتِ محمدؐ"، مصنفہ محمد حسین ہیکل نے یہ عبارت رسالہ نور الاسلام شمارہ نمبر ۴ ۱۹۳۴ء سے نقل کی ہے۔ مترجم۔

Marfat.com

کے ساتھ جمی ہوئی رومن ایمپائر بدستور مسیحیت کی راہوں میں حائل رہی اور یورپ کے مسیحیت قبول کرنے کے باوجود رومن ایمپائر کی تعلیمات یورپ کی نئی تہذیب کی بُنیادیں بن گئیں۔ کیونکہ یورپ کی زندگی پر مسیحیت کے اثرات بہت سطحی تھے اور کبھی گہرائی تک نہ پہنچ سکے۔

یہاں ہم "اسلام دوراہے پر" نامی کتاب سے چند فقرے نقل کریں گے جو ہماری منشا کی وضاحت کے لیے کافی ہوں گے:

"رومن ایمپائر جس فکر پر مبنی تھی وہ دوسری قوموں کو بزور قوت تباہ کر دینے یا مادرِ وطن کی خاطر ان کے استحصال کی فکر تھی۔ ایک مخصوص طبقے کے آرام و آسائش کی خاطر دوسروں پر ظلم و زیادتی میں رومیوں کو نہ کوئی خرابی نظر آتی تھی: وہ اُسے اخلاقی اخطاط سمجھتے تھے۔ وہ "عدلِ رومی" جس کا اتنا چرچا ہے صرف رومیوں کے لیے مخصوص تھا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کا رجحان زندگی اور تہذیب کے خالصتہ مادی تصور کی بنیاد پر ہی پنپ سکتا ہے۔ اس مادی تصور کو اس فلسفیانہ ذوق نے کچھ شائستگی ضرور بخشی تھی جس پر ان کے یہاں زور دیا جاتا تھا، لیکن یہ تصور بہرحال ہر طرح کی روحانی قدروں سے دور تھا۔ درحقیقت رومیوں نے دین کا مزا ہی نہیں چکھا۔ ان کے روایتی دیوتا یونانی خرافات کی بھونڈی نقالی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے تھے۔ یہ محض خیالی پیکر تھے جنھیں عرفِ عام کی رعائت کرتے ہوئے گوارا کر لیا جاتا تھا۔ انھیں کبھی بھی زندگی کے عملی مسائل میں مداخلت کی اجازت نہ تھی۔ ان کا کام صرف یہ تھا کہ جب ان سے کچھ دریافت کیا جائے تو اپنے پروہتوں کے واسطے سے اس کا منظوم جواب دے دیا کریں۔ لیکن اُن سے یہ توقع نہیں کی جاتی تھی کہ وہ انسانیت کو اخلاقی قوانین بھی عطا کریں۔"

"یہ وہ مٹی تھی جس میں جدید مغربی تہذیب کا پودا پروان چڑھا۔ بلاشبہ اپنی نشوونما کے دوران اس نے متعدد دوسرے عوامل کا اثر قبول کیا۔ چنانچہ قدرتی طور پر وہ اس تہذیبی ورثہ میں متعدد تبدیلیاں عمل میں لائی جو اُسے روما سے ملا تھا۔ لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ مغرب کے اخلاقی رجحانات اور اس کے مقاصدِ حیات آج بھی وہی ہیں جو رومن تہذیب نے اسے عطا کیے تھے۔ چونکہ قدیم روما کی اجتماعی اور

Marfat.com

فکری فضا ہمیشہ ـــــ نہ صرف بالفرض بلکہ واقعتہً ـــــ خالصتہً افادی تھی نہ کہ دینی، لہذا جدید مغرب کی فضا بھی ایسی ہی ہے۔ آج یورپ کے افراد کے پاس دین کے سراسر لغو ہونے کے لیے کوئی دلیل نہیں، نہ ہی وہ کسی ایسی دلیل کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ لیکن آپ یہ دیکھ رہے ہیں کہ جدید یورپین فکر عموماً مطلق تصورِ اخلاق کو عملی مسائل و مباحث کے دائرہ سے خارج سمجھتا ہے۔ اگرچہ وہ دین کے ساتھ رواداری برتتا اور کبھی کبھی اس بات پر زور دیتا ہے کہ دین ایک عرفِ عام بن چکا ہے۔ مغربی تہذیب انکارِ خدا میں نہ صراحت اختیار کرتی ہے نہ شدت، مگر اس کے نزدیک اس کے موجودہ فکری نظام میں خدا کے تصور کا نہ تو کوئی فائدہ ہے نہ اس کی گنجائش ہے۔ مغرب نے ذہنِ انسانی کی اس عاجزی کو کہ وہ زندگی کا کلی ادراک و احاطہ کرنے سے قاصر ہے ایک شرف و فضیلت کا درجہ دے دیا ہے۔ چنانچہ جدید یورپین فرد صرف ان خیالات کو کوئی عملی اہمیت دینا چاہتا ہے جو تجربی علوم کے دائرہ میں ہوں یا کم از کم یہ کہ انسانی سماجی تعلقات کو محسوس حد تک متاثر کر سکتے ہوں۔ چونکہ وجودِ خدا کا مسئلہ دونوں میں سے کسی قسم میں نہیں آتا۔ لہذا یورپ کے ذہن کا میلان شروع ہی سے اس طرف ہوتا ہے کہ "خدا کو کوئی عملی اہمیت نہ دی جائے"۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ رجحان مسیحی طرزِ فکر سے کس طرح ہم آہنگ ہو سکتا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ مسیحیت، جسے مغربی تہذیب کے روحانی نظام کی بنیاد سمجھا جاتا ہے، اسلام ہی کی طرح ایک مذہب ہے جو اخلاق کے مطلق تصور پر مبنی ہے۔ بلاشبہ حقیقت یہی ہے مگر اس سے بڑی غلطی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ جدید مغربی تہذیب کو مسیحیت کا پروردہ قرار دیا جائے۔ جدید مغرب کی حقیقی فکری بنیادیں ان قدیم رومن تصورات میں ملتی ہیں جو زندگی کو مطلق تصورات سے عاری خالصتہً مفادات کا معاملہ قرار دیتے ہیں۔ اس نظریہ کی ترجمانی ان الفاظ کے ذریعہ کی جا سکتی ہے: "چونکہ انسانی زندگی کے آغاز اور جسمانی موت کے بعد اس کے انجام کی بابت ہمیں کوئی قطعی علم ـــــ جو علمی تجربہ و تحقیق اور جسمانی تخمینہ پر مبنی ہو ـــــ حاصل نہیں ہے۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ ہم اپنی ساری قوتیں مادی اور ذہنی

Marfat.com

امکانات کی تکمیل پر مرکوز کر دیں۔ ہمیں ان مطلق اخلاقیات اور آدابِ زندگی کا پابند ہونے کی چنداں ضرورت نہیں جو علمی ثبوت سے عاری دعووں پر مبنی ہیں"۔ اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں کہ یہ رجحان اصلاً لادینی ہے۔ جدید مغربی تہذیب کے عملی کارناموں کو مسیحی تعلیمات کی طرف منسوب کرنا ایک زبردست تاریخی غلطی ہے۔ آج مغرب کی تہذیب جس سائنٹفک مادی ترقی میں دوسری تمام تہذیبوں پر فوقیت لے جا چکی ہے، اس میں مسیحیت کا حصہ بہت کم ہے۔ یہ ترقی درحقیقت نتیجہ ہے اس طویل کش مکش کا جو یورپ کو مسیحی کلیسا سے اور زندگی پر اس کی حکمرانی سے کرنی پڑی ہے۔ آج عوام کی اکثریت کے لیے مسیحیت اسی طرح ایک رسمی چیز بن کر رہ گئی ہے جس طرح قدیم روما کے نزدیک اس کے دیوتا تھے جن سے عملی زندگی پر کوئی حقیقی اثر مرتب کرنے کی نہ توقع تھی نہ انھیں اس کی اجازت دی جا سکتی تھی۔ بلاشبہ آج بھی مغرب میں کچھ افراد ایسے ہیں جو مذہبی طرز پر سوچتے اور محسوس کرتے ہیں اور اپنے اعتقادات اور اپنی تہذیب کی اسپرٹ میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی انتھک کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ افراد مستثنیات میں سے ہیں۔ اوسط یورپی افراد، خواہ وہ جمہوریت پسند ہوں یا فسطائی، سرمایہ دار ہوں یا بالشویک، صنعتی مزدور ہوں یا فلسفی، صرف ایک ایجابی مذہب رکھتے ہیں اور وہ ہے مادی ترقی کی پرستش۔ یعنی یہ عقیدہ کہ زندگی کا صرف ایک مقصد ہے، زندگی کو زیادہ سے زیادہ سہل اور خوشگوار بنانا، یا رائج الوقت محاورہ میں "قدرت کے قہر سے آزاد کرنا"۔ اس مذہب کے مندر عظیم الشان کارخانے، سینما گھر، کیمیائی تجربہ گاہیں، ناچ گھر اور بجلی گھر ہیں۔ اس کے مہنت اور پجاری، بینکر، انجینیر، فلمی ستارے صنعتی لیڈر اور ریکارڈ قائم کرنے والے ہوا باز ہیں۔ اس صورتِ حال کا لازمی نتیجہ طاقت اور مسرت کے لیے باہم مسابقت ہے۔ اس سے ایسے گروہ پیدا ہو رہے ہیں جو سراپا مسلح ہو کر ایک دوسرے کے خلاف برسرِ جنگ ہیں اور یہ تہیہ کیے ہوئے ہیں کہ جب بھی ان کے مفاد ٹکرائیں گے وہ ایک دوسرے کو فنا کر کے رکھ دیں گے۔ تہذیبی اعتبار سے اس کا نتیجہ ایک ایسے انسان کی تخلیق ہے جس کا فلسفۂ اخلاق عملی فوائد کا تابع ہے اور جس کے پاس خیر و شر کا اعلیٰ ترین معیار مادی ترقی ہے"۔

Marfat.com

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ آج کا یورپین ضمیر رُوحِ اسلام کو جذب کرنے اور انسانیت کی مشکلات کے حل میں اس سے مدد لینے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اگرچہ متعدد انقلابات اور بہت سی تبدیلیوں کے بعد ایسا ہونا ناممکن نہیں رہ جائے گا، بالخصوص جب کہ خود اسلامی دنیا ازسرِنو اسلامی زندگی کی تعمیر کی طرف متوجہ ہو گی۔ ایسی اسلامی زندگی جس کے آثار و مظاہر نمایاں ہوں، بُنیادیں مستحکم ہوں، جس میں مغرب کا حقیقت پسند ذہن ایسے حقیقی اور عملی مظاہر کا مشاہدہ کر سکے جو اُس کے حواس کو اپنی طرف متوجہ کر سکیں اور اس کے طرزِ فکر میں اعتدال پیدا کر سکیں لیکن ذاتی طور پر میں یہ رائے رکھتا ہوں کہ مغرب کے اسلامی روح سے کسی پہلو سے بھی متأثر ہونے کے لیے ابھی ہمیں پُشتہا پُشت انتظار کرنا ہو گا۔

اُوپر کی گفتگو سے یہ حقیقت بھی اُبھر کر سامنے آتی ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ اسلامی طرزِ فکر جو اخلاقی مقاصد کو اعمال کی غرض و غایت قرار دیتا ہے موجودہ مغربی طرزِ فکر سے میل کھا سکے جو اخلاق کے افادی مقاصد کو منتہائے نظر بناتا ہے۔ آج جبکہ ہم ایک سچی اور صحت مند اسلامی زندگی کی تعمیر کی مہم لے کر اُٹھے ہیں ہمیں اس حقیقت کا پورا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ ہمیں اس زندگی میں خارج سے مستعار لی ہوئی چیزوں کا جوڑ نہیں لگانا ہے کیونکہ یہ پیوند ہمارے فکر کی اصل بناوٹ سے ذرا بھی مناسبت نہیں رکھتے۔

اسلام کی طرف دعوت دینے والے بعض حضرات مغربی طرزِ فکر مستعار لے کر آگے بڑھنا چاہتے ہیں مگر فکر و نظر اور طریق و مسلک کے باب میں مغربی انداز کو مستعار لے کر اسلامی زندگی کے احیاء کی کوشش میں انھیں پہلے ہی قدم پر اعترافِ شکست کرنا پڑتا ہے۔ وہ جس زندگی کی تجدید کرنے چلے تھے بالآخر اسی کو فنا کے گھاٹ اتارنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس واحد فطری طریقہ کار کو پہلے ہی قدم پر چھوڑ دیتے ہیں جس سے اسلامی زندگی کا احیاء ممکن ہے۔ یعنی یہ کہ اسلامی اُصولوں کو اپنا رہنما بنائیں جو کہ زندگی کی عمارت کی بنیاد اخلاق پر رکھتے ہیں، اور اخلاق کی آخری غرض و غایت منفعت اور مفاد کو قرار دینے کی بجائے اعمال کے اخلاقی مقاصد کو اپنا مطمحِ نظر بناتے ہیں۔

اس کتاب کے ابتدائی ابواب میں ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ اسلام زندگی کے سارے معقول مقاصد کے حصول کا اہتمام کرتا ہے۔ ساتھ ہی وہ ان تمام اُمور میں اخلاقی پہلو کے تحفظ کا پورا لحاظ رکھتا ہے۔ یہ بات بھی سامنے آ چکی ہے کہ اسلام کی عظیم حرکی قوت اس کی اسی خوبی میں مضمر ہے کہ وہ زندگی کو مختلف خانوں میں نہیں تقسیم کرتا۔ مقاصد اور اُن کے ذرائع کے درمیان کوئی تضاد پیدا نہیں ہونے دیتا اور

Marfat.com

زندگی کے مادی اور روحانی پہلوؤں کے درمیان یا انسان اور کائنات کے مزاج میں کسی تعارض کا قائل نہیں۔ اس کے برعکس وہ زندگی کو ایک اکائی قرار دیتا ہے جو کامل توافق اور ہم آہنگی کے ساتھ ان مقاصد کی طرف بڑھتی ہے۔

پس اسلام انسانیت کو زندگی کے بارے میں ایک مکمل نظریہ عطا کرتا ہے۔ یہ نظریہ مختلف حالات پر منطبق ہونے یا فروعی معاملات میں رہنمائی کے سلسلہ میں ہمیشہ ترقی اور نشوونما کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن اپنی بنیادی رجحان کے معاملہ میں مصالحت یا پیوندکاری برداشت نہیں کر سکتا۔

اس جامع فکر کے اپنے فطری نتائج کو پوری طرح بروئے کار لانے کے لیے ضروری ہے کہ اسے مکمل طور پر نافذ کیا جائے ورنہ اس کی بنیادی رجحان میں ذرا سی تبدیلی بھی اس میں ایسا خلل پیدا کر دے گی جس کے بعد اس زندگی کی تشکیل ناممکن ہے جس کا نقشہ اسلام پیش کرتا ہے۔

جہاں تک زمانہ کی تبدیلیوں کے ساتھ اس کلی فکر کی بنیاد پر تطبیق و تفریع میں نشوونما کا سوال ہے یہ ایک فطری امر ہے۔ خود اسلام کا مزاج اسے ضروری قرار دیتا ہے، اس کی ترغیب دیتا ہے، اس کے ذرائع و وسائل فراہم کرتا ہے اور اس کو پوری طرح تسلیم کرتا ہے۔ قیاس، اجتہاد، اور وہ وسیع اختیارات جو اللہ کی شریعت کے مطابق حکومت کرنے والے صاحبِ امر کو دیئے گئے ہیں۔ یہ سب ہمیشہ عملی زندگی کے ساتھ ساتھ چلنے اور اس کے نت نئے تقاضوں کی تکمیل کے لیے تطبیق و تفریع میں نشوونما جاری رکھنے کے زندہ اور فعال ذرائع ہیں۔

صرف ایک بات کا اہتمام ضروری ہے کہ تطبیق اور تفریع اسلام کے بنیادی اور اصولی افکار سے بے جوڑ نہ ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ ان کے رجحان کو نظر انداز کر کے کسی دوسرے رُخ پر چل پڑیں یا روحِ اسلام کو دغا دے کر اس کی سیدھی صاف اور طاقت ور روح کی بجائے کسی دوسرے اسپرٹ کو اپنا لیں۔

جب اسلامی معاشرہ عملاً برپا ہو جائے گا تو اس معاشرہ پر اس دین کے قوانین کو منطبق کرنے اور اس ضمن میں اجتہاد کرنے کے لیے ایک وسیع میدان سامنے ہوگا۔ کسی جزئی مسئلہ میں کسی بات کو رد کر دینے یا قبول کر لینے کے لیے ہمارا معیار یہ ہونا چاہیئے کہ ہم اسے اسلام کے بنیادی فکر اور اس کے عام مزاج پر پرکھیں جو چیز اسلام کے بنیادی فکر اور روح کے موافق نظر آئے اسے قبول کر لیں اور جو چیز ان کے خلاف واقع ہوتی ہو اسے رد کر دیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں وہ بات ایمان کی طرح راسخ اور جوش و خروش

Marfat.com

کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہو کہ ہم ایک ایسا نظریۂ حیات رکھتے ہیں جو ان تمام نظریہ ہائے حیات سے بہتر و برتر ہے جو دوسرے مذاہب، فلسفوں یا تہذیبوں کے متبعین کے پاس رہے ہیں۔ کیونکہ یہ نظریہ اللہ کا دیا ہوا ہے جو زندگی کا خالق ہے۔

لیکن یہ ایک مجمل بات ہے اور ضرورت ہے کہ اس عظیم مقصد تک پہنچنے کے لیے جو عملی طریقے اختیار کرنے ہوں گے اُن کو وضاحت کے ساتھ سامنے لایا جائے۔ اب ہم اللہ کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ گفتگو شروع کریں گے۔

اسلامی فکر کا احیاء

اسلامی زندگی کے ازسرِ نو آغاز کے لیے یہ کافی نہیں کہ اسلامی شریعت کی بنیاد پر نئے قوانین وضوابط بنا دیئے جائیں اور نئے انتظامی ادارے قائم کر دیئے جائیں۔ کیونکہ ان دو بنیادوں میں سے صرف ایک بنیاد ہے جن پر اسلام مطلوبہ زندگی کی تعمیر عمل میں لاتا ہے۔ اس بنیاد کا درجہ بھی ثانوی ہے پہلی بنیاد وہ صحیح عقیدہ ہے جو الوہیت کو اللہ سبحانہ، کے لیے مخصوص سمجھتا ہو اور اس بنا پر صرف اسی کو حاکم تسلیم کرتا ہو اور اللہ کے سوا کسی کا یہ حق تسلیم نہ کرتا ہو کہ وہ حاکمیت کا مدعی ہو کر اور عملاً اپنا حکم چلا کر اُلوہیت کا دعویٰ دار ہو۔

اجتماعی عدل اس اسلامی زندگی کا ایک جز ہے۔ یہ اسی وقت مکمل طور پر شرمندۂ تعبیر ہو سکے گا جب خود یہ زندگی پوری طرح عملی شکل اختیار کر لے۔ اسے بقا کی ضمانت صرف اسی صورت دی جا سکتی ہے جب اُسے اس کی مضبوط بنیادوں پر قائم کیا جائے۔ اس کا حال بھی اس ضمن میں دوسرے نظاموں جیسا ہے۔ ضروری ہے کہ اس پر پوری طرح ایمان ہو اور اس کی صلاحیتوں پر کامل اعتماد ہو۔ ایسا نہ ہوگا تو یہ عدل اپنی معنوی بنیادوں سے محروم ہو جائے گا۔ اور صرف قانون کے جبر اور اجتماعی ضابطہ بندی کے دباؤ کے بل پر قائم ہوگا۔ اس جبر کی عمر صرف اس لمحہ تک ہوتی ہے جب کہ اس سے بچ نکلنے کے مواقع مل جائیں۔

اسی لیے اسلامی قانون سازی کو زیادہ آسانی کے ساتھ اتباع و اطاعت میسر آجاتی ہے، کیونکہ وہ ایک دینی عقیدہ پر بھروسہ کرتی ہے۔ ضروری ہے کہ ہم اس عقیدہ کو ازسرِ نو زندہ کرنے کی فکر کریں۔ اور اس کے گرد جو تحریفات، تاویلات اور شبہات جمع ہو گئے ہیں ان کا ازالہ کریں تاکہ یہ عقیدہ اس قانونی نظام

Marfat.com

کی پُشت پناہی کر سکے جس کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہیں، اور ایک حقیقی اسلامی زندگی کا قیام ممکن ہو جائے اس طرح یہ زندگی قانون اور ہدایت و ترغیب کی ان دو بنیادوں پر قائم ہو سکے گی جن کو اسلام اپنے جملہ مقاصد کے حصول میں ذریعہ بناتا ہے۔

مگر زندگی کی تنظیم عمل میں لانے والی اسلامی قانون سازی کی فکر کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم افراد اور گروہوں کے دلوں میں اسلامی عقیدہ کو اس کی ان بنیادوں پر از سرِ نو اُستوار کرنے کی کوشش کریں جن کی وضاحت اس باب کے آغاز میں کی گئی ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ہم ایسی ثقافت، تربیت کے ایسے ذرائع اور فکر بنانے کے ایسے طریقوں سے کام لے کر جو سراسر مغربی ہیں، اور اسلامی فکر کے دشمن ہیں، اسلامی فکر کیسے پیدا کر سکتے ہیں۔ اوّلاً یہ نظامِ تعلیم و تربیت، مادی بنیادوں پر قائم ہے جو زندگی کے بارے میں اسلام کے نظریہ کی عین ضد ہے۔ ثانیاً اسلام دشمنی اس کی سرشت میں داخل ہے خواہ یہ مقصد ظاہر ہو یا پوشیدہ۔

سچی بات تو یہ ہے کہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں، اسلامی فکر کے احیاء کے لیے مغربی فکر کو ذریعہ بنا کر ہم پہلے ہی قدم پر اپنی شکست کا اعلان کر دیتے ہیں۔ سب سے پہلے اسی مغربی فکر سے نجات حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک خالصتہً اسلامی طرزِ فکر اختیار کرنا ناگزیر ہے تاکہ یہ اطمینان ہو سکے کہ جو چیز اس کے نتیجہ میں جنم لے گی وہ دوغلی نہیں اصلی ہو گی۔

اسلامی فکر میں 'حاکمیت' کا تصور صرف اسی تک محدود نہیں کہ احکام و قوانین قبول کر لیے جائیں اور انہی کے مطابق فیصلے کیے جائیں۔ اللہ کی بندگی کی صورت صرف یہی نہیں کہ صرف اسی سے شریعت حاصل کی جائے اور اسی شریعت کو جملہ امور میں فیصلہ کن قرار دیا جائے۔ اس صورت میں جب کہ ہم لفظ شریعت کو سیاسی نظام کے اُصولوں اور اس کے قوانین کے محدود معنی میں استعمال کریں کیونکہ اسلامی فکر میں شریعت کے معنی صرف اتنے ہی نہیں۔

اللہ کی شریعت سے مراد وہ ساری ہدایات ہیں جو اللہ نے انسانی زندگی کی تنظیم کے لیے دی ہیں۔ یہ ہدایات عقاید، اصولِ حکمرانی، معاملاتِ زندگی، حصولِ علم کے طریقوں، غرض یہ کہ عقیدہ و نظریہ، نظریہ کے مقدمات، قوانین، اخلاق اور معاملات، ایک سے متعلق ہیں۔ یہ ہدایات ان قدروں اور معیاروں کی صورت میں ملتی ہیں جن کو معاشرہ میں حکمراں ہونا چاہیے۔ جن پر پیمانوں، اقدامات اور تنظیموں

Marfat.com

کو پرکھا جانا چاہیئے۔ فکری اور فنی سرگرمیوں اور علم کے تمام شعبوں کو بھی انہی ہدایات کے مطابق ڈھالنا چاہیے۔

ضروری ہے کہ ان تمام امور میں اللہ ہی سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ہم تشریعی احکام کی صورت میں اُس سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں جہاں تک حاکمیت، یعنی اس کے اس پہلو کا تعلق ہے جو احکام و قوانین سے وابستہ ہے۔ اس کی یہ نوعیت بحیثیت مجموعی اسلامی فکر کی بنیادوں کی طرف رجوع اور ان امور سے متعلق اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت میں جو تفصیلی ہدایات ہیں ان کے مطالعہ کر کے سمجھی جا سکتی ہیں۔ اس طرح یہ بات بھی کسی حد تک واضح ہو چکی ہے کہ یہی نوعیت ان قدروں اور معیاروں کی بھی ہے جن کو معاشرہ میں رائج ہونا چاہیئے اور جن پر واقعات اور اشخاص کو پرکھا جانا چاہیے۔ ہر سماج میں رائج اقدار اسی تصور کا عکس ہوتی ہیں جو وجود، وجود اور اس کے خالق کے مابین رشتوں اور اس وجود کے مختلف پہلوؤں کے باہمی روابط نیز ان مقاصد و اہداف کے بارے میں پایا جائے جنھیں اس تصور نے معاشرہ کے مقاصد و اہداف کا مقام دیا ہو، یا یہ بتایا ہو کہ وہی انسانی زندگی کے مجموعی مقاصد ہیں۔

اس بات کو ایک مثال کی مدد سے سمجھئے۔ اسلامی تصور کے مطابق وجودِ انسانی کا مقصود عبادت ہے ـــــ یعنی یہ کہ بندوں کی بندگی سے آزاد ہو کر صرف خدا کی بندگی کی جائے ـــــ انسان کا منصب یہ ہے کہ زمین پر اللہ کی نیابت کرے اور اللہ کے دیئے ہوئے ضابطۂ حیات کے تحت، اسی کے دائرہ میں رہتے ہوئے، زمین کی قوتوں اور وسائل و ذخائر سے استفادہ کرے۔ ان میں تجزیہ و ترکیب اور مادی ایجاد و اختراع کے ذریعہ زندگی کو نمو بخشے اور ترقی دے۔ تاکہ وہ مادی زندگی میں ان خوش نما اور خوشگوار چیزوں سے لطف اندوز ہو سکے جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے بنائی ہیں اور اپنی روحانی زندگی میں مادی دباؤ اور تنگی سے آزاد رہ کر ترقی کر سکے۔ اسلامی تصور کے مطابق زندگی میں برتری کا معیار تقویٰ ہے: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ (تم میں سے اللہ کے نزدیک برتر وہ ہے جو زیادہ تقویٰ شعار ہو۔) اسلام میں اخلاق و معاملات کی بنیاد تقویٰ ہے کیوں کہ تقویٰ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور انسان کی عبودیت کا اظہار ہے، اور یہی اس کیفیت اور ان رجحانات کو جنم دیتا ہے جن پر اخلاق کی پوری عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ ان مقدمات کو ہم اوپر واضح کر چکے ہیں، پھر بھی یہاں اُن کا دوبارہ ذکر

Marfat.com

کررہے ہیں۔ تاکہ واضح ہو جائے کہ اسلام اپنی مخصوص قدریں رکھتا ہے جن کا منبع وہی ہے جو عقیدہ کا منبع ہے۔ کوئی دوسری چیز ان اقدار کا ماخذ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ صرف اللہ کی الوہیت کے حضور بندگی بجالانے کا یہی تقاضا ہے۔ "اللہ کی شریعت" کے اصل مفہوم کے اعتبار سے یہ قدریں بھی اسی مفہوم کا جزء ہیں۔ شریعت کی اصطلاح آج جن محدود معنیٰ میں استعمال کی جاتی ہے فی الحقیقت اس کے معنیٰ اتنے محدود نہیں ہیں۔

اس سے واضح ہوا کہ مسلمان عقیدہ و فکر، اخلاق و معاملات، اور معاشرہ میں رائج قدروں اور معیاروں کو اللہ جل شانہٗ کے سوا کسی دوسرے ماخذ سے نہیں حاصل کر سکتا۔ ان چیزوں کو صرف اللہ ہی سے حاصل کرنے کا مسئلہ عقیدہ کا مسئلہ ہے، کیونکہ انھیں اللہ کے سوا کسی اور سے اخذ کرنا صرف اللہ کی الوہیت کے حضور مکمل بندگی کے اعتراف کے منافی ہے۔ ان میں رہنمائی حاصل کرنے کی نوعیت بھی وہی ہے جو قانونی احکام کے سلسلہ میں رہنمائی حاصل کرنے کی ہے جن کے بارے میں اللہ کا حکم ہم اوپر واضح کر چکے ہیں۔

اخلاقی قدریں نہ زرعی ہوتی ہیں نہ صنعتی۔ زرعی سماج یا صنعتی سماج اپنی مخصوص علیحدہ اخلاقی قدریں نہیں رکھتا۔ بورژوا سماج اور پرولتاری سماج کے لیے الگ الگ اخلاق کا تصور غلط ہے ایسا نہیں کہ بورژوا سماج کے لیے کچھ قدریں ہوں اور پرولتاری سماج کے لیے دوسری قدریں ہوں۔ سرمایہ دارانہ اور اشتراکی اخلاق الگ الگ نہیں ہوتے، نہ سرمایہ دارانہ قدریں اور اشتراکی قدریں علیحدہ وجود رکھتی ہیں۔ اخلاق یا تو اسلامی ہوگا یا جاہلی۔ قدریں اسلامی ہوتی ہیں یا جاہلی، ان کی کوئی تیسری قسم نہیں ہوتی۔ اخلاق و اقدار کی ایک قسم وہ ہے جو اس تصور سے پیدا ہوتی ہے کہ ایک ہی آقائی ہے اور یہ چیز اور جذبہ روح بندگی کے ایک ہی رشتہ میں منسلک ہے۔ اخلاق و اقدار کی دوسری قسم وہ ہے جو بہت سے آقاؤں کے تصور سے جنم لیتی ہے ——— اگرچہ آقائیت کی شکلیں مختلف ہیں ——— جس کی بنیاد مختلف آقاؤں کے درمیان انسانی ضمیر کی پراگندگی اور انسانی زندگی کے بٹ جانے پر ہے اخلاق و اقدار کا ایک نظام وہ ہے جو اس وجود، اپنے خالق سے اس کے رشتہ، اس کائنات میں انسان کے مقام، وجود انسانی کے مقصد اور اس کے منصب و کردار، نیز مادی کائنات، ذی روح مخلوقات اور ابنائے جنس سے انسان کے تعلقات و روابط اور پھر ان سب کے اللہ سے تعلق کی نوعیت کے اسلامی تصور سے ابھرتا ہے۔ اخلاق و اقدار کے دوسرے نظام وہ ہیں جو مختلف جاہلی تصورات سے ابھرتے ہیں۔ اسلامی

Marfat.com

تصوّر کے ماسوا ہر تصوّر جاہلی تصوّر ہے۔ یہ وہ مختلف و منتشر راہیں ہیں جو کبھی بھی خدائے واحد کی راہ سے نہیں ملتیں، وہ راہ جس کی وضاحت خدا نے اپنی کتاب میں خود کردی ہے۔ نہ کہ اس راہ کا وہ فہم جو کچھ لوگ اپنی خواہشات کے مطابق گھڑ لیتے ہیں ——— اور یہی وجہ ہے کہ یہ من گھڑت راہیں کبھی خدا تک نہیں پہنچا سکتیں

اجتماعی نظام، سیاسی ادارے اور اقتصادی ڈھانچے تمام تر اعتقادی تصوّر کی شاخیں اور اسی تصوّر سے اُبھرنے والی قدروں کی عملی تطبیق کا نتیجہ ہیں۔ اس وجہ سے لازم ہے کہ ان کا ماخذ اسلامی تصوّر کے سوا اور کچھ نہ ہو۔ اور انھیں شریعت اسلامی ہی سے اخذ کیا جائے ——— شریعت ان محدود معنی میں نہیں جن میں یہ اصطلاح آج کل استعمال کی جاتی ہے بلکہ اپنے حقیقی مفہوم کے اعتبار سے۔ یہ بات اللہ واحد ہی کو الٰہ تسلیم کرکے اسی کی بندگی میں سر تسلیم خم کردینے کا تقاضا ہے کہ ہم ان امور کی بابت رہنمائی صرف ہدایتِ الٰہی سے حاصل کریں۔ ان کا درجہ بھی وہی ہے جو شریعت کے موجودہ محدود معنی یعنی قانون احکام کا ہے۔ آج حاکمیت کے مفہوم کو بھی قانونی احکام صادر کرنے تک محدود کردیا گیا ہے، حالانکہ شریعت کا دائرہ زیادہ وسیع ہے اور حاکمیت کا اطلاق بھی موجودہ متداول مفہوم سے وسیع تر ہے۔

اگرچہ اس جیسی کتابیں پڑھنے والوں کے لیے یہ باتیں نہ نئی ہوں گی نہ انوکھی مگر اس پر زور دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام امور عقیدہ کے مسئلہ میں شامل ہیں، کیوں کہ ان کا تعلق بلاواسطہ اور براہ راست خدائے واحد کی مکمّل بندگی کے اقرار یا عدمِ اقرار سے ہے۔

جو بات کسی قدر انوکھی ہوگی، وہ ادب، آرٹ، سائنس اور دوسرے علوم و افکار سے متعلق سرگرمیوں میں اسلامی تصوّر سے رہنمائی حاصل کرنا اور ہدایاتِ الٰہی کی طرف اس طور پر رجوع کرنا ہے کہ یہ بھی عقیدہ سے تعلق رکھنے والے امور ہیں اور ایسا کرنا بھی اللہ واحد ہی کو الٰہ تسلیم کرکے اس کی مکمّل بندگی اختیار کرنے کا لازمی تقاضا ہے۔

آرٹ اور ادب کے ضمن میں اس موقف کی وضاحت میں ایک پوری کتاب لکھی جاچکی ہے[1]۔ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ادب اور آرٹ سے متعلق جملہ انسانی سرگرمیاں، انسان کے تصورات، تاثرات، ردعمل اور رجحانات کے انسانی اظہار سے عبارت ہیں اور یہ سب کچھ ایک مسلمان کے قلب و دماغ میں راسخ اسی تصوّر ہی کے تحت بلکہ اسی سے پیدا ہونے والی چیزیں ہیں۔ کیونکہ کائنات، ذہنِ انسانی اور حیاتِ انسانی کے مختلف پہلو اور کائنات و حیات اور نفسِ انسانی کے بنانے والے سے اُن کا تعلق سب اس تصوّر سے

[1] محمد قطب: منہج الفن الاسلامی۔

دائرہ میں شامل ہے۔ یہ چیزیں مسلمان کے اس مخصوص تصور کا عکس ہیں جو وہ انسان کی حقیقت کائنات میں اس کے مقام، وجودِ انسانی کے مقصد، اس کے منصب و کردار اور اس کی اقدارِ حیات کے بارے میں رکھتا ہے۔ اسلامی تصور محض نظریاتی تصور نہیں بلکہ ان تمام امور سے متعلق حقائق کا حامل ہے۔ کیونکہ وہ ایک رہنما اعتقادی تصور ہے۔ جس کی فعال تاثیر انسان کے ہر اظہار و تاثر پر چھا جاتی ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم اختصار کے ساتھ اس مسئلہ پر مزید گفتگو کریں گے۔

یہ بات کہ سائنس اور دوسرے علوم و افکار سے متعلق جملہ کوششوں میں اسلامی تصور اور الٰہی ماخذ سے رہنمائی حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ اللہ واحد ہی کو الٰہ تسلیم کر کے اسی کی بندگی کرنے کا تقاضا پورا ہو اور عقیدہ کی جہت سے مسلمان کا اسلام معتبر قرار پائے، ایسی بات ہے جس پر ہمارے لیے قدرے تفصیلی اظہارِ خیال ضروری ہے۔ کیونکہ یہ اس دور کے قارئین یہاں تک کہ ان مسلمانوں کو بھی انوکھی یا اَن کہی معلوم ہوگی جو یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ایمان و اسلام اس وقت تک معتبر نہیں جب تک حاکمیت اور قانون سازی صرف اللہ کے لیے مخصوص نہ سمجھی جائے۔

مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ کسی ایسے معاملہ میں ہدایتِ الٰہی کے سوا کسی دوسرے ماخذ سے رہنمائی حاصل کرے جو عقیدہ، نظریہ کائنات، عبادت، اخلاق، سماجی قدروں، یا سماجی، سیاسی اور اقتصادی نظام کے اصولوں اور بنیادوں سے متعلق ہو، یا جس کا موضوع یہ ہو کہ انسانی تاریخ میں کارفرما قوتیں اور انسانی سرگرمیوں کے محرکات کیا ہیں۔ یہ باتیں ایک مسلمان کسی ایسے مسلمان ہی سے سیکھ سکتا ہے جس کی دین داری اور تقویٰ پر اور اس بات پر پورا اعتماد ہو کہ وہ عملی زندگی میں بھی اپنے عقیدہ پر پوری طرح قائم ہے۔

البتہ مسلمان کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ مجرد سائنس مثلاً کیمسٹری، فزکس، بیالوجی، آسٹرانومی علمِ صنعت اور علمِ زراعت، ایڈمنسٹریشن کے فنی اور انتظامی پہلو اور مختلف کاموں کے کرنے کے عملی طریقے، نیز فنی پہلو کی حد تک طبِ جنگ اور اسی جیسے دوسرے علوم و فنون میں جس سے چاہے تعلیم و تربیت حاصل کرے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، جب مسلم معاشرہ قائم ہو تو اس میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان تمام امور کو اجتماعی ذائقض سمجھتے ہوئے میدان میں زیادہ سے زیادہ تیاری کی جائے اور کچھ افراد کو میدان میں ایسی مہارت پیدا کریں کہ باقی افراد کے لیے ان ذائقض کفایہ کی انجام دہی کی ذمہ داری

Marfat.com

ساقط ہو جائے۔ اگر ایسا نہ ہو سکا تو ان امور کا بقدر کفایت اہتمام نہ ہوگا اور ایسی فضا نہ بنائی جا سکے گی کہ ان تمام میدانوں میں سرگرمی جاری رہے، ترقی کرے اور اچھے نتائج سامنے لائے، پھر پورا معاشرہ گناہ گار ہوگا۔ لیکن جب تک یہ معاشرہ قائم ہو مسلمان افراد کو چاہیئے کہ مسلم اور غیر مسلم ہر ایک سے ان مجرد علوم اور عملی فنون کو سیکھیں، مسلم و غیر مسلم ہر ایک کی کوشش سے فائدہ اٹھائیں اور مسلمانوں اور غیر مسلموں سب سے کام لیں۔ کیوں کہ یہ ان امور میں داخل ہیں جن کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: "اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ" (اپنے دنیوی معاملات کے بارے میں تم زیادہ علم رکھتے ہو)۔ ان کا تعلق حیات و کائنات، انسان، وجودِ انسانی کے مقصد، نیز انسان کے منصب و کردار اور کائنات اور خالقِ کائنات سے اس کے رشتہ کی نوعیت سے نہیں ہے۔ یہ علوم و فنون اصولِ زندگی، قوانینِ حیات اور ان اداروں اور نظاموں سے کوئی بحث نہیں کرتے جن کی بنیاد پر انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تنظیم عمل میں آتی ہے۔ لہٰذا ان کے ذریعہ مسلمان کا عقیدہ بگڑ جانے اور اس کے جاہلیت کی طرف پلٹ جانے کا اندیشہ نہیں۔

جو علوم فرد و جماعت کے اعمال و احوال کی جامع تعبیر کو اپنا موضوع بناتے ہوں۔ یعنی جن کا موضوع انسان کا "نفس" اس کی تاریخ کا عمل اور کائنات، حیات اور انسان کے آغاز کا وہ پہلو ہے جس کا تعلق ماوراء الطبیعیات سے ہے (جس سے مجرد سائنس مثلاً کیمسٹری، فزکس، آسٹرانومی بیالوجی، طب وغیرہ نہیں بحث کرتے) ان کی نوعیت بھی وہی ہے جو قانونی احکام، اور نظامِ زندگی کے اصولی ڈھانچہ اور بنیادوں کی ہے، یہ علوم بھی عقیدہ سے وابستہ ہیں۔ ایک مسلمان ان علوم میں صرف اس مسلمان سے رہنمائی حاصل کر سکتا ہے جس کی دین داری اور تقویٰ پر اعتماد کیا جا سکے اور یہ معلوم ہو کہ وہ ان علوم میں بھی ہدایتِ الٰہی سے رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ مسلمان کو اس امر کا احساس ہونا چاہیئے کہ یہ مسائل اس کے عقیدہ سے مربوط ہیں اور اس کے صرف خدا کا بندہ ہونے کا، یعنی اس سے اسلام کا تقاضا ہے کہ ان میں ہدایت الٰہی کی طرف رجوع کیا جائے۔

ان علوم کا ایک مسلمان طالب علم جاہلیت کے پیدا کیے ہوئے پورے لٹریچر کا مطالعہ کرے اس لیے نہیں کہ اس مطالعہ سے ان امور کی بابت اپنا فکر بنائے بلکہ صرف اس لیے کہ یہ جان سکے کہ جاہلیت کس طرح گمراہ ہوئی اور ان علوم کو اسلامی فکر کی بنیادوں پر مرتب کر کے انسانیت کی

Marfat.com

اس گمراہی کو کس طرح دور کیا جا سکتا ہے۔

قدیم و جدید غیر اسلامی جاہلی فکر کے پروردہ ان علوم کے مجموعی رجحانات پر جاہلیت کے تصورات کا گہرا اثر پڑا ہے، اور یہ انہی تصورات پر مبنی ہیں۔ یہ بات فلسفہ، فلسفۂ تاریخ، نفسیات (باستثناء مشاہدات و تجربات کے، نہ کہ تجربات سے مستنبط نظریات کے) اخلاقیات، مذاہب کے تقابلی مطالعہ، اور (اعداد و شمار اور واقعاتی معلومات کو مستثنیٰ کرتے ہوئے، ان سے اخذ کیے جانے والے عام نتائج کے لحاظ سے) سماجیات سب کے بارے میں درست ہے۔ ان تمام علوم یا کم از کم ان میں سے اکثر کے اصول تحقیق میں دینی فکر بالخصوص اسلامی تصور کی دشمنی کھلے طور پر یا مخفی طور پر موجود ہے۔ اس قسم کی علمی اور فکری کوششوں کا معاملہ کیمسٹری، فزکس، آسٹرونومی اور طب جیسے علوم سے یکسر مختلف ہے ——— اس وقت تک جب تک یہ مؤخر الذکر علوم علمی تجربات کے دائرہ میں رہیں اور واقعی نتائج ریکارڈ کرنے پر قناعت کریں، ان سے آگے بڑھ کر کسی نوع کی فلسفیانہ تعبیر نہ پیش کریں۔ اس طرح کے تجاوز کی ایک مثال ڈارونزم ہے جو بیالوجی میں مشاہدات اور اُن کی ترتیب و تجزیہ سے آگے بڑھ کر بغیر کسی علمی ضرورت اور دلیل کے صرف مخصوص میلانات کے تحت یہ رائے بھی ظاہر کرتا ہے کہ زندگی کے آغاز اور ارتقاء کی توجیہہ کے لیے عام طبیعی سے ماورا کسی خارجی وجود کو فرض کرنے کی ضرورت نہیں۔

ایک مسلمان کے لیے ایسے تمام اُمور کی بابت اُس کے سچے آقا و پروردگار کا بیان کافی ہے اور اس بیان کے مقابلہ میں ان موضوعات پر ساری انسانی کوششیں بیہودہ اور مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ یہ مسئلہ عقیدہ سے براہ راست تعلق رکھتا ہے ——— اس عقیدہ سے کہ الوہیت صرف اللہ کی ہے اور اسی کی مکمل بندگی کی جانی چاہیئے۔ یہی عقیدہ اسلامی تصور کی بنیاد اور اس کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ثقافت پوری انسانیت کی میراث ہے۔ اس کی نہ کوئی قومیت ہے نہ وطن نہ مذہب۔ یہ بات مجرد صائنس اور اس کے عملی استعمال کی حد تک درست ہے۔ بشرطیکہ یہ علوم اپنے دائرہ سے تجاوز کر کے اپنے نتائج تحقیق کی فلسفیانہ تعبیریں نہ پیش کرنے لگیں اور نفس انسانی، انسانی اعمال و حرکات، تاریخ، آرٹ، ادب اور اظہار جذبات کی مختلف ہیئتوں کی فلسفیانہ تشریح کا ذمہ

Marfat.com

نہ لے لیں۔ لیکن اس دائرہ سے باہر اُمور و مسائل کی بابت یہ کہنا دراصل اس عالمی یہودیت کا ایک فریب ہے جو ہر رکاوٹ کو، بالخصوص فکر و عقیدے کے روڑے کو، اپنی راہ سے ہٹا کر پوری دنیا میں یہودیوں کے نفوذ کے لیے راہ ہموار کرنا چاہتی ہے۔ یہودیت انسانیت کو یہ مغالطہ دے کر اپنے شیطانی منصوبوں کو عمل کا جامہ پہنانا چاہتی ہے۔ اس کی اوّلین اسکیم اس کی سُودی سرگرمیاں ہیں جس کے نتیجہ میں پوری انسانیت کی جدوجہد کے ثمرات یہودیوں کے قائم کردہ سود پر مبنی مالی اداروں کی طرف کھنچے چلے آرہے ہیں۔

اسلام کا موقف یہ ہے کہ مجرّد تجربی علوم اور اُن کی عملی تطبیقات کے علاوہ ثقافت کی دو قسمیں ہیں: اسلامی ثقافت جو اسلامی تصور پر مبنی ہے، اور مختلف طریقوں پر مبنی جاہلی ثقافت، جس کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ کی رہنمائی کو نظر انداز کرتے ہوئے انسانی فکر کو الٰہ کا درجہ دے دیا جائے۔ اسلامی ثقافت انسان کی تمام فکری اور عملی سرگرمیوں کے لیے ایک وسیع میدان فراہم کرتی ہے اور ایسی بنیادیں، طریقے اور خصوصیات رکھتی ہے جو ان سرگرمیوں کی ترقی اور ہمیشہ آگے بڑھتے رہنے کی ضامن ہیں۔

یہ جان لینا کافی ہے کہ تجربی طریقِ تحقیق نے جس پر جدید یورپ کا صنعتی تمدن قائم ہے ابتداءً اسلامی درس گاہوں میں جنم لیا تھا۔ وہاں اس طریقے کے اصول اسلامی تصورِ زندگی اور کائنات، اُس کی اصل و ماہیت اور اُس کے وسائل و ذخائر کی جانب اس تصور کے پیدا کردہ رویّہ سے اخذ کیے گئے تھے۔ پھر اسی طریقہ پر یورپ کی نشأۃِ ثانیہ ہوئی جس نے اسے مسلسل پروان چڑھایا اور مزید ترقی دی جب کہ اسلامی دنیا میں اس طریقہ کے استعمال میں پہلے تو ٹھہراؤ پیدا ہوا، پھر اُسے بالکل ترک کر دیا گیا۔ اس ترک کا سبب یہ تھا کہ بعض داخلی اسباب و عوامل کی بنا پر نیز خارج سے صیہونیت اور صلیبیت کے حملوں اور سازشوں کے نتیجہ میں اسلامی ممالک رفتہ رفتہ اپنے عقیدہ و تصور اور بنیادی طریقِ کار سے دور ہوتے چلے گئے۔ اُدھر یورپ نے اِن سے سیکھے ہوئے اس طریقِ تحقیق اور اس کی اعتقادی اسلامی بنیادوں کا رشتہ منقطع کر دیا۔ یورپ نے کلیسا سے بغاوت کی، کیوں کہ کلیسا خدا کا نام لے کر انسانوں پر ظالمانہ دست درازی کر رہا تھا۔ مگر اس نے کلیسا سے دوری اختیار کرنے کے ساتھ ہی اس طریقۂ تحقیق کو بھی اللہ سے اس کا رشتہ کاٹ کر بہت دور کر دیا۔

چنانچہ ہر زمانہ اور ہر ملک کے جاہلی فکر کے نتائج کی طرح یورپین فکر کے نتائج بھی مجموعی طور پر اسلامی تصور کی بنیادوں سے بالکل مختلف اور جداگانہ مزاج کے حامل ہو گئے۔ اب یہ ضروری ہے کہ مسلمان

صرف اپنے تصوّر کی بنیادوں کی طرف رجوع کرے، اور اگر وہ ایسا کرسکتا ہو تو خود براہِ راست ہدایتِ الٰہی سے رہنمائی حاصل کرے، ورنہ کسی متقی مسلمان سے سیکھے جس کی دین داری اور تقویٰ پر اُسے اتنا اعتماد ہو کہ وہ اطمینان کے ساتھ اس سے تعلیم حاصل کرسکتا ہو۔

جہاں تک تصوّرِ زندگی کی بنیادوں سے تعلّق رکھنے والے علوم کا تعلّق ہے۔ اسلام علم کو صاحبِ علم سے الگ کرکے نہیں دیکھتا۔ ان بنیادوں کا اثر اس نقطۂ نظر پر پڑتا ہے جس سے انسان کائنات، حیات انسانی سرگرمیوں، اداروں، قدروں، معیاروں اور عادات و اطوار اور ان اُمور سے متعلق انسانی زندگی کے ہر پہلو کو دیکھتا ہے۔ اسلام اس بات کو گوارا کرسکتا ہے کہ ایک مسلمان کسی غیر مسلم یا کسی غیر متقی مسلمان سے کیمسٹری، فزکس، آسٹرونومی، طب، اصولِ صنعت و زراعت، یا ایڈمینسٹریشن اور حساب و کتاب کی تعلیم حاصل کرے۔ ایسا کرنا بھی اسی حال میں مناسب ہے جب ان کی تعلیم دینے کے لیے تقویٰ شعار مسلمان نہ مل سکیں جیسا کہ آج کل ہے۔ یہ موجودہ صورت حال اس وجہ سے رُونما ہوئی ہے کہ ہم اپنے دین اور طریقِ کار، نیز زمین میں اللہ کے اِذن سے اس کی نیابت کے منصب اور اس کے تقاضوں سے دور ہوگئے ہیں اور ان ذمّہ داریوں کو بھول گئے ہیں جو اس نیابت کی وجہ سے ان علوم و فنون کے سلسلہ میں ہم پر عائد ہوتی ہے۔ اسلام کبھی اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ ہم غیر اسلامی لٹریچر سے، یا دین دار اور تقویٰ شعار مسلمانوں کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے اسلامی عقیدہ کے اصول، اُسکے تصوّرِ زندگی کی بنیادیں، اس کے قرآن کی تفسیر، اس کے نبیؐ کی احادیث اور اس کی سیرت یا اسلام کی تاریخ، اس کے معاشرہ کا طرزِ زندگی، اس کا نظامِ حکومت اور طرزِ سیاست یا آرٹ اور ادب کے سلسلہ میں اس کے اشارات کی تعلیم حاصل کریں۔

جو شخص یہ باتیں لکھ رہا ہے اس نے پورے چالیس سال پڑھنے میں گذارے ہیں۔ اس پورے عرصہ میں اس کا اصل کام یہ رہا ہے کہ انسانی علوم کے اکثر شعبوں کا مطالعہ کرے اور یہ جانے کہ اُن میں کیا باتیں مخصوص علم کا درجہ رکھتی ہیں اور کیا باتیں تہذیبی میلانات کی آئینہ دار ہیں۔ پھر اس نے خود اپنے عقیدہ و تصوّرِ حیات کے مآخذ کا مطالعہ کیا تو اس زبردست خزانہ کے سامنے آتے جو کچھ اس نے اب تک پڑھا تھا ہیچ اور معمولی نظر آیا ـــــ ہونا بھی یہی چاہیے تھا ـــــ مگر اس نے اپنی عمر کے چالیس سال جس کام میں صرف کیے اس پر اسے چنداں پشیمانی نہیں، کیوں کہ اس نے جاہلیت کو اچھی طرح سمجھ لیا،

Marfat.com

اس کی حقیقت جان لی اور یہ دیکھ لیا کہ اس میں کتنا بگاڑ، کتنی کج روی، اور کتنی پستی ہے۔ اختلاف و انتشار اور پراگندہ خیالی کس حد کو پہنچی ہوئی ہے۔ جاہلیت کو اپنے بارے میں کتنا مغالطہ ہے اور اس کے بلند بانگ دعوے کتنے بے بنیاد ہیں۔ اسے اپنے ذاتی مطالعہ کی بنا پر کامل یقین ہو گیا کہ ایک مسلمان کے لیے علم و رہنمائی حاصل کرنے کے لیے ان دونوں مآخذ ـــــ اسلامی اور غیر اسلامی ـــــ کو ایک ساتھ اختیار کرنا ناممکن ہے۔

یہ بات میں نے اپنی طبیعت سے نہیں کہہ دی ہے۔ کیونکہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ اس میں ذاتی رائے کو فیصلہ کن بنانا جائز نہیں۔ اللہ کے حضور بھی یہ معاملہ اتنا دور رس ہے کہ مسلمان اس بارے میں کسی ذاتی رائے پر پورا بھروسہ نہیں کر سکتا۔ ہم نے اس مسئلہ میں اللہ سبحانہٗ کے فرمان اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو فیصلہ کی بنیاد بنایا ہے۔ اہلِ ایمان کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہوں تو جس مسئلہ میں ان کے درمیان اختلاف رائے ہو اس میں اللہ اور رسولؐ کی طرف رجوع کرتے ہیں چنانچہ ہم بھی اس مسئلہ میں اللہ اور رسولؐ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اللہ سبحانہٗ مسلمانوں کے سلسلہ میں یہود و نصاریٰ کے منتہائے مقصود کے بارے میں عمومی انداز میں فرماتا ہے:

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنفُسِهِم مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (البقرہ ۲ : ۱۰۹)

"اہل کتاب میں سے اکثر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں ایمان سے پھیر کر پھر کفر کی طرف پلٹا لے جائیں۔ اگرچہ حق ان پر ظاہر ہو چکا ہے، مگر اپنے نفس کے حسد کی بنا پر تمہارے لیے ان کی خواہش یہ ہے۔ اس کے جواب میں تم عفو و درگذر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ خود ہی اپنا فیصلہ نافذ کر دے (مطمئن رہو کہ) اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

وَلَن تَرْضٰى عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي

Marfat.com

جاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ (البقرہ: ۱۲۰)

"یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے، جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو۔ کہہ دو کہ راستہ بس وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے۔ ورنہ اگر اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے، تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی، تو اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی دوست اور مددگار تمہارے لیے نہیں ہے۔"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۰۰)

"اے ایمان لانے والو! اگر تم نے ان اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ کی بات مانی تو یہ تمہیں ایمان سے پھر کفر کی طرف پھیر لے جائیں گے۔"

جب مسلمانوں کے سلسلہ میں یہود و نصاریٰ کا آخری مقصود اتنی قطعیت کے ساتھ متعین ہوگیا تو ایک لمحہ کے لیے بھی یہ خیال کرنا حماقت ہوگی کہ وہ اسلامی عقیدہ یا اسلامی تاریخ پر بحث کرنے وقت یا مسلم معاشرہ اور اس کی سیاست و معیشت کا جائزہ لیتے وقت کوئی مفید اور صحیح بات کہہ سکیں گے یا کوئی موزوں رہنمائی کرسکیں گے۔ اللہ سبحانہٗ کے اس واضح بیان کے بعد بھی جو لوگ ان کے ارادوں اور سرگرمیوں کے بارے میں کسی خوش گمانی میں مبتلا ہیں وہ صحیح معنی میں غافل لوگ ہیں ہر خطا سے پاک خدا کے ارشاد "قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى" سے وہ واحد ماخذ متعین ہو جاتا ہے جس کی طرف ایک مسلمان کو ان تمام مسائل میں رجوع کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ کی رہنمائی کے ماسوا بجز گمراہی اور کچھ نہیں، اور کوئی ہدایت کسی دوسرے ماخذ سے نہیں مل سکتی۔ جیسا کہ آیت "قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى" میں حصر کے صیغہ کا استعمال واضح کرتا ہے۔ اس نص کا منشاء و مطلب واضح اور کسی دوسری تاویل سے بالا ہے۔

اسی طرح قطعی حکم دیا گیا ہے کہ جو آدمی اللہ کی یاد سے روگردانی کرے اور جس کی ساری تگ و دو دنیوی زندگی کے معاملات و مسائل تک محدود ہو اس سے کنارہ کشی لازم ہے۔ یہ بات منصوص ہے کہ ایسا آدمی ظن کے سوا کچھ بھی نہیں جانتا اور مسلمان کو ظن و گمان کی پیروی سے منع کیا گیا ہے۔ یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ ایسا آدمی صرف دنیوی زندگی کی سطحی باتیں جانتا ہے اور علم صحیح سے محروم ہے۔

Marfat.com

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی لا عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ۔ ذٰلِکَ مَبْلَغُھُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ط اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ ج وَھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اھْتَدٰی ۝ (النجم: ۲۹-۳۰)

"پس (اے نبیؐ) جو شخص ہمارے ذکر سے منہ پھیرتا ہے اور دنیا کی زندگی کے سوا جسے کچھ مطلوب نہیں، اسے اس کے حال پر چھوڑ دو ـــــ ان لوگوں کا مبلغ علم بس یہی کچھ ہے یہ بات تیرا رب ہی زیادہ جانتا ہے کہ اس کے راستہ سے کون بھٹک گیا ہے اور کون سیدھے راستے پر ہے۔"

یَعْلَمُوْنَ ظَاھِرًا مِّنَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ج وَھُمْ عَنِ الْاٰخِرَۃِ ھُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ (الروم: ۷)

"یہ لوگ دنیا کی زندگی کا بس ظاہری پہلو جانتے ہیں اور آخرت سے وہ خود ہی غافل ہیں۔"

جو خدا کی ہدایت سے غافل ہے اور صرف دنیوی زندگی کو مقصود بناتا ہے ـــــ اور ظاہر ہے کہ آج سارے ماہرینِ علوم کا یہی حال ہے ـــــ وہ صرف اس ظاہری پہلو کا علم رکھتا ہے۔ یہ وہ علم نہیں جس کے ماہر پر مسلمان اعتماد کر سکے اور اپنے جملہ اُمور میں اُس سے رہنمائی حاصل کر سکے۔ ایسے آدمی سے صرف اس کے مادی علم کی حد تک کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔ زندگی کی عمومی توجیہہ و تعبیر یا اس کے نظریاتی مسائل میں اُن سے رہنمائی نہیں حاصل کی جا سکتی۔ یہ وہ علم نہیں جس کی طرف قرآن کی آیات اشارہ کرتی ہیں اور جس کے ماہر کی وہ تعریف کرتی ہیں۔ ہر وہ علم گمراہ اور گمراہ کن ہے جو اللہ سے ہدایت طلبی نہ سکھائے۔ اور جس کی تہہ میں یہ احساس نہ کام کر رہا ہو کہ اللہ نے انسان کو وہ کچھ سکھا کر جو اُسے معلوم نہ تھا، اُسے شعور و احساس کی نعمت عطا فرما کر، نیز نوامیسِ قدرت کی تسخیر کا ملکہ عطا فرما کر اس پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ قرآن کی آیات میں جس علم کی طرف اشارہ ہے، جس کی وہ تعریف کرتی ہیں وہ ایسا نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا گمان ہے جو آیاتِ قرآن کے سیاق و سباق سے ہٹا کر اُن سے غلط استدلال کرتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ علم صرف عقیدہ یا دینی فرائض کے علم کا نام نہیں بلکہ اس کے دائرہ میں ہر چیز شامل ہے۔ علم کا تعلق قوانینِ قدرت اور خلافتِ ارضی میں اُن کے استعمال سے بھی اتنا ہی ہے جتنا

Marfat.com

عقیدہ اور دینی فرائض سے۔ لیکن قرآن میں جو علم مراد ہے اور جس کے جاننے والوں کی تعریف کی گئی ہے وہ ایسا علم نہیں جو اپنی ایمانی بنیادوں سے کٹ چکا ہو، آسٹرونومی۔ بیالوجی، فزکس، کیمسٹری، طب اور نوامیسِ قدرت اور اُصولِ صحت سے متعلق علوم اور ایمانی بنیاد کے درمیان بھی ایک رشتہ ہے یہ سارے علوم اللہ کی طرف لے جاتے ہیں بہ شرطیکہ گمراہ میلانات انھیں خدا سے دور کرنے کے لیے نہ استعمال کریں۔ افسوس کہ یورپ نے اپنی علمی ترقی میں یہی رُخ اختیار کیا، جس کا سبب وہ منحوس کشمکش ہے جو ہمیں خاص طور پر یورپ کی تاریخ میں ملتی ہے۔ اس کشمکش نے یورپ کے طرزِ فکر پر گہرے اثرات مرتب کیے اور اسے ایک مخصوص مزاج کا حامل بنا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دینی تصور کی بنیاد پر ——— نہ کہ صرف کلیسا یا کلیسائی تصور کی بنیاد پر ——— زہریلے حملے فکر یورپ کے پیدا کردہ تمام شعبہ ہائے علم میں عام ہو گئے خواہ مابعد الطبیعی فلسفہ ہو یا خالص سائنٹفک تحقیقات ہوں جن کا بظاہر دینی موضوع سے کوئی تعلق نہ ہو۔

یہ واضح ہو جانے کے بعد کہ مغربی فکر کا طرز اور علم و معرفت کے تمام میدانوں میں اس فکر کے نتائج دینی تصور کی بنیاد پر زہریلے حملوں پر قائم ہیں، یہ بات بھی سمجھ لینا چاہیے کہ یہ طرز اور اس کے نتائج اسلامی تصور کے خاص طور پر دشمن ہیں، کیونکہ یہ اُن کا خصوصی ہدف رہا ہے۔ اکثر وہ اس بات کی دانستہ اور بھرپور کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی عقیدہ اور تصور اور اسلامی مفہومات و معانی کو فنا کے گھاٹ اتار دیں اور ان بنیادوں کو مٹا دیں جن پر مسلمان معاشرہ کا امتیاز قائم ہے۔ اسی وجہ سے اسلامی مطالعہ و تحقیق میں مغربی طرزِ تحقیق اور مغرب کے نتائج افکار پر بھروسہ کرنا بڑی نادانی کی بات ہوگی۔ اسی طرح مجرد سائنس کے مطالعہ میں بھی، جن میں ہم بحالاتِ موجودہ مغربی مآخذ سے بے نیاز نہیں ہو سکتے، اس کی پوری احتیاط ملحوظ رکھنی چاہیے کہ ان کے فلسفیانہ پہلو سے پرہیز لازم ہے۔ کیونکہ یہ فلسفیانہ تاثرات بنیادی طور پر دینی تصور، بالخصوص اسلامی تصور کے دشمن ہیں اور ان کا شائبہ بھی خالص اسلام کے چشمۂ صافی کو مسموم کر دینے کے لیے کافی ہے۔

ذیل میں ہم خاص طور پر ادب اور تاریخ کے بارے میں تفصیلی اظہار خیال کریں گے اور یہ بتائیں گے کہ ان کے مطالعہ کا وہ محفوظ طریقہ کیا ہے جو مسلمان بنانے اور مسلمان کے ذہن کو اس جاہلیت کے اثرات سے پاک کرنے کا کام کر سکتا ہے جو آج پوری دنیا پر چھائی ہوئی ہے۔

اسلامی ادب

ادب زندگی کی وہ تفسیر ہے جو ہمارا جذبہ و ادراک کرتا ہے۔ یہ اس منبع سے نکلتا ہے جس میں کسی مخصوص ماحول میں، سارے فلسفے، مذاہب، تجربات اور دوسرے عوامل کے دھارے آکر مل جاتے ہیں۔

زندگی کے بارے میں ایک وجدانی تصور کی تشکیل اور انسان کے مزاج کو ایک مخصوص سانچہ میں ڈھالنے کے سلسلہ میں ادب مؤثر ترین عامل واقع ہوا ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہمارے پاس ایک ایسا ادب ہو جو اسلامی فکر سے اُبھرا ہو۔ مناسب ہوگا کہ یہاں ہم اسلامی ادب کے منہاج پر قدرے تفصیلی گفتگو کریں۔

دوسرے فنونِ لطیفہ کی طرح ادب بھی ان زندہ قدروں کی، جن سے فنکار کا ضمیر متأثر ہوتا ہے، ترجمانی کا نام ہے۔ یہ اقدار مختلف افراد، مختلف حالات اور مختلف زمانوں کے لیے مختلف ہوسکتی ہیں، لیکن ان کا منبع بہرصورت زندگی کے کسی مخصوص تصور کی روشنی میں استوار ہونے والے وہ رشتے ہیں جو انسان اور کائنات، نیز انسان اور انسان کے درمیان پائے جاتے ہیں۔

ادب یا کسی بھی فنِ لطیف کو ان قدروں سے مجرّد کرکے دیکھنے کی کوشش لاحاصل ہے، جن کی وہ براہ راست ترجمانی کرنے کی یا ان تأثرات کے اظہار کرنے کی کوشش کرتا ہے جو انسان کا احساس ان سے قبول کرتا ہے۔ اگر ہمیں اس کارِ محال میں کامیابی ہوسکتی کہ ہم ان اقدار سے مجرّد کرکے دیکھ سکیں تو ہمیں بجز، کھوکھلی عبارتوں، خالی خولی خطوط و نقوش، مبہم و لایعنی آوازوں اور بے ڈول اور گم سم اجسام کے اور کچھ نظر نہ آتا۔

اسی طرح خود ان اقدار کو زندگی کے بارے میں کلّی فکر اور اس کی روشنی میں استوار ہونے والے ان رشتوں سے جو انسان اور کائنات، انسان اور واقعات یا انسان اور انسان کے درمیان پائے جاتے ہیں۔ علیٰحدہ کرکے دیکھنے کی کوشش بھی بے سود ہے۔ یہ بات کہ انسان کو اس کا شعوری احساس ہے کہ نہیں کہ وہ زندگی کا کوئی مخصوص تصور رکھتا ہے چنداں اہم نہیں۔ کیونکہ یہ تصور بہرحال اس کے داخل میں موجود ہوتا ہے۔ یہی اس کی نظر میں قدروں کی تعیین کرتا ہے اور وہ تأثرات بھی اس کے رنگ میں رنگے

Marfat.com

ہوئے ہوتے ہیں جو انسان اِن قدروں سے قبول کرتا ہے۔

اسلام زندگی کا ایک مخصوص تصوّر ہے اور اس تصوّر سے چند مخصوص قدریں ابھرتی ہیں۔ فطری طور پر ان اقدار کی ترجمانی یا فن کار کے داخل پر ان کے اثر کی ترجمانی ایک مخصوص مزاج کی حامل ہوگی۔

اسلام کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک عظیم، ٹھوس، فعّال اور تخلیقی قوت رکھنے والا عقیدہ ہے جو فرد کے داخل اور اس کی عملی زندگی پر پوری طرح چھا جاتا ہے اور انسان کی تمام عملی اور جذباتی قوّتوں کو اپنا لیتا ہے۔ اس کے بعد کوئی ایسا خلا باقی نہیں رہتا جس میں اضطراب اور حیرت کو کوئی جگہ مِل سکے یا جہاں وہ ناکارہ غور و فکر جاگزیں ہو سکے جس کا نتیجہ بجز تفکّرات اور خیالی شکلوں کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اسلام میں سب سے نمایاں چیز اس کی ہمہ گیر عملی حقیقت پسندی ہے جو غور و فکر اور میلانات پر بھی حاوی رہتی ہے۔ اسلام میں ہر غور و فکر انسانی اور کائناتی رشتوں کا ایک ادراک یا اس ادراک کی ایک کوشش ہوتا ہے۔ وہ خالق اور مخلوق یا کائنات کی مختلف اکائیوں کے درمیان پائے جانیوالے رشتوں کی تقویت اور استحکام کا باعث بنتا ہے۔ اس کا ہر میلان ایک ہدف کی تمہید یا کسی ہدف کے حصول کی کوشش ہوتا ہے خواہ وہ ہدف کتنا ہی بلند ہو۔

اسلام زندگی کو نشوونما اور ترقی دینے کے لیے آیا ہے نہ کہ کسی خاص زمانہ اور خاص مقام پر زندگی عملاً جیسی کچھ ہو اس پر قانع کر دینے کے لیے۔ اسلام کا منشاء صرف اتنا ہی نہیں کہ انسانی زندگی میں عملاً جو محرکات یا موانع یا رجحانات و قیود کسی مخصوص عہد یا مدتِ طویل میں پائے جاتے ہوں ان کی ایک روئیداد پیش کر دی جائے۔

اسلام ہمیشہ زندگی کو ترقی، نشوونما اور نئے انداز اختیار کرنے کی طرف لے جاتا ہے۔ وہ انسانی قوتوں کو آزادی بخشتا ہے، اُبھارتا ہے اور بلندی کی طرف لے جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اسلامی تصوّرِ حیات سے اُبھرنے والا ادب، یا آرٹ انسانی کمزوریوں کی عکاسی کا بہت زیادہ اہتمام نہیں کرتا۔ نہ اس کے پیش کرنے میں زیادہ تفصیل سے کام لیتا ہے وہ اِن کمزوریوں کو سندِ جواز عطا کرنے کی کوشش مطلق نہیں کرتا۔ کجا کہ انھیں اس دلیل کی بنا پر پسندیدہ بنا کر پیش کرے کہ یہ کمزوریاں عملاً موجود ہیں لہٰذا اُن کو چھپانے یا اُن کے وجود سے انکار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اسلام اس حقیقت کا منکر نہیں کہ انسانیت میں کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ لیکن اُسے اس

Marfat.com

بات کا بھی احساس ہے کہ انسانیت خوبیاں بھی رکھتی ہے۔ اس کا احساس یہ ہے کہ اس کا اصل کام کمزوریوں کو خوبیوں پر غالب کرنا اور انسانیت کو بلندی کی طرف لے جانا، اس کا نشوونما اور اُسے ترقی دینا ہے نہ کہ ان کمزوریوں کو سندِ جواز عطا کرنا یا اُن کو پسندیدہ بنا کر پیش کرنا۔

اسلامی تصورِ حیات سے اُبھرا ہوا ادب یا آرٹ کبھی کبھی انسان کے کمزور لمحات پر بھی رکتا ہے لیکن وہ اُن پر ٹھٹک کر نہیں رہ جاتا بلکہ اُن کی طرف اتنی ہی توجہ کرتا ہے جتنی کہ انسانیت کو ان کمزوریوں کے گڑھے سے نکالنے اور مجبوریوں کے پھندے اور دباؤ سے آزاد کرنے کے لیے ضروری ہوتی ہے، اسلیے نہیں کہ اسلامی ادب محدود معنیٰ میں اخلاق کا پابند ہے، بلکہ یہ اسلامی تصورِ حیات کے مزاج کا اثر ہے اور اس حقیقت کا کہ اسلام کا منشاء زندگی کو نشوونما دینا اور ترقی بخشنا ہے۔ وہ کسی لمحہ یا عرصہ میں زندگی کی عملی صورت حال پر قانع ہو جانا نہیں جانتا۔

اسلامی نظریہ اس زمین پر انسان کی کم مائیگی اور زندگی کو آگے بڑھانے میں فرد کے حصہ کی بے حقیقتی کا قائل نہیں۔ چنانچہ اسلامی تصور سے اُبھرنے والے ادب یا آرٹ کا کام یہ نہیں ہوتا کہ وہ انسان کو اُسکی کمزوریاں، خامیاں اور پستی یاد دلاتا رہتا ہے اور اس کی زندگی اور جذبات میں جو خلا پائے جاتے ہوں اُن کو حسی لذائذ کے خوابوں اور ایسی آرزوؤں سے پُر کرتا رہے جو اضطراب و حیرت، حسد اور سلبی جذبات کے سوا اور کچھ نہیں عطا کر سکتے۔ وہ انسان کو اس کے ایسے میلانات یاد دلاتا ہے جو بلندی کی طرف لے جاتے یا وسعتوں کی طرف مائل کرتے ہیں۔ وہ اس کی زندگی اور جذبات کے خلاؤں کو اُن انسانی مقاصد سے پُر کرتا ہے۔ جو زندگی کو آگے بڑھاتے اور ترقی دیتے ہیں۔ یہ مقاصد فرد کے داخل سے بھی تعلق رکھتے ہیں اور عملی زندگی سے بھی۔

اسلامی فکر سے اُبھرنے والے ادب یا آرٹ کا مظہر پند و مواعظ نہیں۔ ظاہر ہے کہ اظہارِ خیال کے یہ سادہ طریقے فن کاری نہیں قرار دیے جا سکتے۔

اس ادب یا آرٹ کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ انسانی شخصیت یا سماجی زندگی کو کچھ کا کچھ بنا کر پیش کرے اور انسانی زندگی کی ایسی مثالی تصویر سامنے لائے جو کوئی وجود نہ رکھتی ہو۔ وہ دیانتداری کے ساتھ انسان کی پوشیدہ اور ظاہر دونوں طرح کی صلاحیتوں کو سامنے لاتا ہے۔ وہ زندگی کے ایسے مقاصد کی ٹھیک ٹھیک تصویر کشی کرتا ہے جو انسانوں کی دنیا کے شایانِ شان ہو نہ کہ بھیڑوں

Marfat.com

کے گلہ کی۔

اسلامی فکر سے اُبھرنے والا ادب یا فن مقصدی ہوتا ہے۔ کیونکہ اسلام زندگی کو مسلسل آگے بڑھاتے رہنے کی ایک تحریک ہے۔ وہ کسی مخصوص دور یا کسی خاص لمحہ میں عملاً جو صورتِ حال ہو اس پر قانع ہو جانا نہیں جانتا، نہ وہ صرف اس لیے اِس صورتِ حال کو سندِ جواز عطا کرتا یا پسندیدہ بنا کر پیش کرتا ہے کہ وہ عملاً موجود ہے۔ اس کا اصل کام ہی اس عملاً موجود کو بدلنا اور بہتر بنانا ہے۔ اس کا مستقل پیغام یہ ہے کہ زندگی کی تعمیرِ نو اور تشکیلِ جدید کا کام ہر آن جاری رہے۔

اپنی اس خصوصیت کے اعتبار سے وہ اس مقصدی ادب اور آرٹ کی طرح ہے جو تاریخ کی مادی تعبیر سے اُبھرتا ہے۔ مگر یہ مماثلت عارضی ہے، پھر دونوں کی راہیں بالکل جدا ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ اس فن میں زندگی کو آگے بڑھانے والی قوت کا مدار طبقاتی کش مکش ہے۔ اسلام طبقاتی کشمکش کو اتنی اہمیت نہیں دیتا کیونکہ انسانی مقاصد کے بارے میں اس کا تصور اس سے بہت زیادہ بلند اور وسیع ہے۔ وہ سماجی ظلم کو نہ گوارا کرتا ہے نہ جائز قرار دیتا ہے، اور نہ انسانوں کو اس پر راضی رہنے اور اس سے "لُطف اندوز" ہونے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس ظلم کا مقابلہ کرنا اور اس کے ازالہ کی جدوجہد بھی اس کی جملہ مساعی میں شامل ہے۔ فرق یہ ہے کہ وہ اپنی انقلابی تحریک کو طبقاتی حسد کی بنیاد پر نہیں بلکہ انسان کو اوپر اٹھانے اور ضروریات کی غلامی سے نجات دلا کر شرف و عزت کا مالک بنانے کی خواہش پر اٹھاتا ہے، اس خواہش پر کہ انسان کی بے نظیر انسانیت کو کھانے پینے اور جسمانی ضروریات کی تکمیل میں انہماک کے پھندے سے آزاد کیا جائے۔

اسلامی تصور میں زندگی کو آگے بڑھانے کی تحریک کا مدار ساری انسانیت کو آگے بڑھانے اُوپر اُٹھانے، آزاد کرنے اور نئی تخلیقی سرگرمیوں میں لگا دینے کے عزم پر ہے۔ اس راہ میں یہ فکر مختلف طبقات کے آلام و مصائب اور مشکلات و موانع کی طرف بھی توجہ کرتا ہے تاکہ ان مشکلات کو رفع کرے اور ان مصیبتوں کا ازالہ کرے۔ وہ انسان کی مصیبتوں کو معمولی چیز نہیں سمجھتا۔ لیکن وہ ان کے ازالہ کے لیے حسد و کینہ کے ذرائع استعمال نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ حسد خود ایک زنجیرِ پا ہے جو اکثر انسان کو بلندیوں کی طرف پرواز سے روک دیتی ہے۔

رہا یہ سوال کہ صرف نظریاتی بحثوں اور پند و نصائح کے میدان میں نہیں بلکہ عملی زندگی میں

Marfat.com

ان مصائب وآلام کو واقعتہ کس طرح دور کیا جائے تو ہم نے اس موضوع پر دوسری جگہوں پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ یہاں ہم صرف اس بات پر زور دینا چاہتے ہیں کہ اسلامی ادب یا اسلامی آرٹ، مقصدی ادب اور مقصدی آرٹ ہے۔ حیات اور انسانی تعلقات کی بابت اسلامی فکر کے مزاج کا تقاضا ہے کہ وہ مقصدی ہو۔ یہ مزاج ایک تحریکی مزاج ہے جو تخلیق و تعمیر کی طرف لے جاتا ہے اور بلند پروازی سکھاتا ہے۔ مقصدیت سے میری مراد یہ نہیں کہ تاریخ کی مادی تعبیر پر یقین رکھنے والوں کی طرح اس مقصد کو جبراً نافذ کیا جائے گا، بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اسلامی تصورِ حیات انسان کے داخل کو ایک خاص کیفیت عطا کر دے جس کے طفیل اس سے آرٹ کے ایسے اسالیب جنم لیں گے جو مادی تصورِ حیات یا کسی دوسرے تصورِ حیات کے پیدا کردہ آرٹ سے بالکل مختلف ہوں گے۔

اسلام فی نفسہٖ فنونِ لطیفہ کا دشمن نہیں، البتہ وہ اِن قدروں اور تصورات میں سے بعض کا مخالف ہے جن کی ترجمانی فنونِ لطیفہ آج کر رہے ہیں۔ وہ ان کی جگہ داخل کی دنیا میں، کچھ دوسرے تصورات اور دوسری قدروں کو لاتا ہے جو اس بات کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں کہ جمالیاتی تصور کا فنکارانہ اظہار کریں اور زیادہ آزادی اور بہتر حسن کاری کے ساتھ آرٹ کے نئے مظاہر سامنے لائیں جو اسلامی تصور کے مزاج سے اُبھرتے ہوں اور اس کی امتیازی خصوصیات کے حامل ہوں۔

اس سے یہ مطلب نہ اخذ کیا جائے کہ نئی پود کے لیے یورپ کا لٹریچر حرام ہے۔ ہم صرف حسنِ انتخاب اور خُذ ما صفا ودع ما کدر کی دعوت دے رہے ہیں۔ کیوں کہ اس لٹریچر میں ایسی چیزیں بھی ملیں گی جو اسلامی اسپرٹ سے ہم آہنگ ہیں۔ اس لیے نہیں کہ ان میں فضائلِ اخلاق کی تلقین اور رذائل کی مذمت کی گئی ہے، کیونکہ ادب منبر و عظ و ارشاد نہیں، بلکہ اس لیے کہ وہ زندگی کو مادیت سے بلند ہو کر روحانی زاویۂ نگاہ سے دیکھتا ہے اور زندگی کی معنوی قدروں کو تسلیم کرتا ہے۔ اس قسم کا ادب اپنی روح کے اعتبار سے اسلامی تصورِ حیات سے ہم آہنگ ہے، اور سلیقہ کے ساتھ انتخاب سے کام لیتے ہوئے اس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

تاریخ

تاریخ بھی درحقیقت ادب کی ایک شاخ ہے۔ مگر یہ ایک مخصوص مزاج کی حامل اور خاص

Marfat.com

اہمیت کی مالک ہے۔ تاریخ واقعاتِ حیات کی تشریح و تعبیر کا نام ہے۔ اس کا فلسفہ اور زندگی کے بارے میں عمومی تصوّر سے متأثر ہونا لازمی ہے۔ ان بنیادوں پر کی ہوئی تعبیرِ زندگی کے بارے میں ایک ایسا تصوّر عطا کرتی ہے جو زندگی اور تاریخ کے رُجحان کی بابت اسلامی تصوّر سے بالکل مختلف ہے۔

مزید برآں چونکہ یہ مؤرخین زیادہ تر یورپین رہے ہیں لہٰذا انھوں نے عالمی تاریخ کا محور یورپ کو قرار دے رکھا ہے۔ اگر ہم مغرب کے غرورِ نفس اور خود پسندی سے چشم پوشی برتیں تو انسان کی فطری کمزوری کے پیشِ نظر انھیں ایسا کرنے میں معذور سمجھیں گے۔ اس روح کی حامل اور ایسا طریقہ اختیار کرنے والی تاریخ کے مطالعہ کے نتیجہ میں ہماری نوخیز نسلیں دو غلط نظریات لے کر آگے بڑھتی ہیں۔

پہلا نظریہ یہ ہے کہ رفتارِ زمانہ اور تاریخ پر روحانی عوامل کا ذرا بھی اثر نہیں پڑتا، یا اگر پڑتا ہے تو بہت کمزور اور خفیف۔

دوسرا یہ کہ زمانہ کو آگے بڑھانا اور اُس کا رُخ متعیّن کرنا صرف یورپ کا کام ہے۔ خود اسلام کو اس میں بہت حقیر اور معمولی سا دخل ہے۔

اِن دونوں تصوّرات کا اثر انتہائی خطرناک اور مہلک ہوتا ہے۔ حیات، کائنات اور طرزِ زندگی کے بارے میں ایک ہمہ گیر تصور کی تخلیق پر بھی یورپ کے جارحانہ اقدام کے بالمقابل اسلامی عزت و مرتبہ کے شعور پر بھی۔

اپنی نوخیز نسلوں کے ذہن کو اس خطرہ سے بچانے کے لیے ذیل کے دو اقدامات ناگزیر ہیں۔

پہلا کام یہ ہے کہ ہم سارے عالم کی تاریخ، واقعات و حوادث کی تعبیر کو اسلامی نقطۂ نظر سے مرتب کرنا شروع کر دیں۔ تاکہ یہ عظیم کام صرف یورپین طرزِ فکر و نظر کا اجارہ ہو کر نہ رہ جائے۔ اِس تاریخ میں ہمیں یورپ کو اس کے صحیح مقام پر رکھنا ہوگا اور اُسے مبالغہ آمیز اہمیت نہ دیتے ہوئے تاریخ کی حرکت میں عام طور پر ساری انسانیت نے اور خاص طور پر اسلام نے جو حصّہ لیا ہے اسے نمایاں کر کے سامنے لانا ہوگا۔

Marfat.com

اِسلامی تاریخ کی تدوینِ جدید

تاریخ واقعات کا نہیں بلکہ ان واقعات کی تعبیر کا نام ہے۔ اس کا کام ان مخفی یا ظاہر رشتوں کی دریافت ہے جو اِن مختلف واقعات کو باہم مربوط کر کے ایک ہی سلسلہ کی کڑیوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اس سلسلہ کے مختلف اجزاء ایک دوسرے سے متأثر ہوتے اور اُن پر اثر ڈالتے ہیں، اور یہ زمانہ اور ماحول کی تبدیلی کے ساتھ اسی طرح پھیلتے اور بڑھتے رہتے ہیں جس طرح کسی خاص زمان و مکان میں کوئی جسمِ نامی نشو و نما کے مراحل سے گزرتا ہے۔

کسی واقعہ کو سمجھنے، اس کی تعبیر کرنے اور اُسے اس کے ماقبل اور مابعد ہونے والے واقعات سے مربوط کر کے دیکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ آدمی یہ صلاحیت رکھتا ہو کہ انسان کے داخل کی تمام روحانی، فکری اور حیاتیاتی اقدار اور تشکیلی قوتوں کا احاطہ کر سکے، اور انسانی زندگی میں کارفرما معنوی اور مادی تشکیلی قوتوں کو سمجھ سکے۔ اس میں یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ اپنی روح، عقل اور احساسات کے دروازے واقعہ کے اثرات کے لیے کھول دے۔ اس کا شعور اس واقعہ سے جو تأثرات قبول کرتا ہو ان میں سے کسی کو رد کرنے سے پہلے اُسے کافی چھان بین اور احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

اسلامی تاریخ کو بالکل نئے انداز سے اور نئی بنیادوں پر دوبارہ مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلامی زندگی کو ایک نئے زاویۂ نگاہ سے اور بالکل نئی روشنی میں دیکھنا چاہیے تاکہ اس کے تمام راز کھل سکیں۔ اس کے جملہ انوار طلوع ہو سکیں اور وہ اپنی تمام عناصر اور تشکیلی قوتوں سمیت واضح ہو سکے۔

اس از سرِ نو مطالعہ میں اوّلین اہمیت اسلامی مآخذ کو دینی چاہیے۔ کام کی تفصیلات میں داخل ہونے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ محقق اپنی عقل، روح اور احساسات کو اس فضا سے پوری طرح مانوس کرے اور اسی میں سانس لینے لگے جو اسلام ایک عقیدہ، ایک تحریک، ایک نظریہ اور نظامِ زندگی کی حیثیت سے رکھتا ہے، اور جو فضا اس اسلامی زندگی کی ہے جو عالم واقعہ میں انسانی زندگی کا ایک باب ہے۔ محقق کا اس فضا میں جا بسنا اس کے فہم و ادراک کے تمام دریچے کھول دینے کے لیے ضروری ہے تاکہ وہ اس زندگی کو نہ صرف سمجھ سکے بلکہ اس کی زندہ ہستی کا ادراک کر سکے اور مختلف حوادث و واقعات کو اس ہستی میں جو مقام حاصل ہے اُسے پوری طرح سمجھ سکے۔

Marfat.com

کسی محقق کے لیے انسانی زندگی کے کسی دور کا گہرا اور حقیقی فہم حاصل کرنے کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ اپنی پوری شخصیت کو اس کے سپرد کر دے، اس کی فضا میں جا بسے، اس کے ہر اشارہ کو سمجھے اور ہر اثر کو قبول کرے۔ یہ شرط اسلامی زندگی کے مطالعہ کے ساتھ مخصوص نہیں لیکن اسلامی زندگی کے سلسلہ میں یہ ضرورت زیادہ واضح ہے۔ کیونکہ اس زندگی کی تشکیلی قوتیں اپنی نوعیت اور ماہیت کے اعتبار سے دورِ جدید کی تشکیلی قوتوں سے بالکل مختلف واقع ہوئی ہیں۔

ہمارے نزدیک اسلامی زندگی کا مکمل مطالعہ اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک کہ اسلامی عقیدہ اور الوہیت، حیات، کائنات اور انسان کی بابت اسلامی تصور کے مزاج کا صحیح شعور نہ حاصل ہو جائے۔ جب تک یہ بات نہ سمجھ لی جائے کہ اس عقیدہ کا ردِ عمل قلبِ مومن پر کیا ہوتا ہے اور اس کے زیرِ اثر ایک مسلمان زندگی کے مختلف عوامل کے جواب میں کیا روش اختیار کرتا ہے۔ یہ خصوصیات صرف کسی ایسے مسلمان محقق کے اندر پائی جا سکتی ہیں جو اسلامی تحریک کا علمبردار بھی ہو۔ اسلامی تاریخ کی تدوینِ جدید میں یہ خصوصیات پوری طرح موجود ہونی چاہئیں۔

اس بات کا پتہ لگانا چاہیئے کہ تاریخِ حیات کے اس اسلامی دور میں لوگوں کی سرگرمیوں کے اصل محرکات کیا تھے۔ اور ان محرکات کا ان واقعات، انقلابات اور تغیرات سے کیا رشتہ تھا جو اس دور میں رونما ہوئے۔ یہ چیزیں لازماً اسلامی تصور کے مزاج سے ہویدا نظر آئیں گی۔ اسلام میں جو انقلابی روح اُس کی خارجی اور عملی زندگی ہی میں نہیں بلکہ انفرادی، اجتماعی اور کائناتی تعلق کے اندر بھی پائی جاتی ہے، اُن سے بھی ان کا ربط ہوگا اسلام نے نظامِ حکومت، طرزِ معیشت، قانون سازی کے طریقوں اور قانون کو نافذ کرنے کے ذرائع وغیرہ کے باب میں جو نقشے پیش کیے ہیں اُن سے بھی یہ واقعات و تغیرات مربوط ہوں گے۔ یہ ساری چیزیں زندگی کی . . . . . لہٰذا اس مخصوص زندگی کی تاریخ بنانے میں حصہ لیتی ہیں۔

جنگیں، سیاسی معاہدے، بین الاقوامی تعلقات وغیرہ جن کو تاریخ دوسرے اُمور

Marfat.com

سے زیادہ اہمیت دیتی ہے ۔ چند دوسرے عوامل کے تابع ہیں جن کو تاریخ مرتب کرتے وقت نمایاں کرنا ضروری ہے ۔ محققین کے درمیان اختلاف انھیں عوامل کے ادراک اور ان کے اثر کا اندازہ لگانے میں ہوتا ہے۔ ہر ایک ان کو اس فلسفہ کی عینک سے دیکھتا ہے جو اس کے طرزِ فکر یعنی زندگی کے بارے میں اس کے زاویۂ نظر پر غالب ہوتا ہے ۔ مسلمان محقق کو اسلامی زندگی کے مطالعہ میں ایک امتیازی خصوصیت حاصل ہے ۔ کیونکہ زندگی کے بارے میں اس کا زاویۂ نگاہ تاریخ کے عمل پر اثر انداز ہونے والے ان عوامل سے یک گونہ مناسبت رکھتا ہے ۔ اس کی گہرائیوں میں اُترنے، اس کے انداز پہچاننے اور اس کا صحیح تأثر قبول کرنے کی صلاحیت وہ غیروں سے زیادہ رکھتا ہے ۔

عقیدۂ اسلامی کے مزاج اور اس تأثر کے فہم کی روشنی میں جو مسلمان اس سے قبول کرتے ہیں، محقق تاریخ کے اس مخصوص دور میں اسلامی زندگی کے محرکات، اس میں مضمر انسانی قدروں اور مختلف مراحل پر اس کی فتح و شکست کے اسباب کا صحیح اندازہ لگا سکے گا اور تصور کر سکے گا کہ اسلام کے اوّلین گہوارہ میں اور ان ملکوں میں جن میں وہ بعد کو پھیلا، انسانی گروہوں کی ظاہری اور باطنی زندگی کیسی رہی ہوگی، پھر وہ ظاہری پہلوؤں پر، جن کے علاوہ اکثر مغربی مؤرخین کو کچھ اور نظر نہیں آتا۔ ان روحانی پہلوؤں کا اضافہ کر سکے گا جنھیں اسلام حقیقتِ واقعہ کا ایک جزو شمار کرتا ہے ۔ یہ دریافت کر سکے گا کہ اس پہلو نے زمانہ کی رفتار متعین کرنے اور مختلف زمان و مکان میں زندگی کی تشکیل میں کیا حصہ لیا ہے ۔

اسلامی تاریخ کو انسانی تاریخ سے علیٰحدہ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ کیونکہ اسلام زندگی انسانی زندگی کے ایک مخصوص دور کا نام ہے ۔ مسلمان مخصوص زمان و مکان میں رہنے والے انسان تھے اور اسلام زمان و مکان کی قیود سے آزاد ایک آفاقی اور انسانی پیغام ہے ۔ جس دور کی تاریخ پر بلاشبہ اس بات کا اثر پڑا ہے کہ اسلام کو جاہلیت کا مقابلہ کرنا پڑا اور اس وقت جو عوامل کارفرما تھے ان سے عہدہ برآ ہونا پڑا ۔ پھر اسلام نے خود بھی انسانی تجربات میں حصہ لے کر ان کو خاص کر اُن علاقوں میں جہاں اس کے قدم پہنچے یا جن کے قریب جا پہنچا تھا لہٰذا ضروری ہے کہ اسلامی تاریخ مرتب کرتے وقت یہ بھی بتایا جائے کہ ظہورِ اسلام سے قبل انسانی تجربات کہاں تک پہنچے

Marfat.com

دنیا کے مختلف انسانی معاشروں کی حالت کیا تھی؟ خاص طور پر دینی عقائد اور ان سے وابستہ افکار و نظریات کیا تھے۔ مختلف معاشروں کے نظامِ حکومت، اقتصادیات، اجتماعی رشتے اور اخلاق و عادات سامنے لائے جانے چاہئیں۔ ان اُمور کی روشنی میں یہ واضح ہو سکے گا کہ اسلام نے تاریخ میں جو عمل انجام دیا اس کی نوعیت اور اصلیت کیا تھی۔ دنیا پر اس نئے نظام کے قبول کرنے یا ٹھکرانے کا ردِ عمل کیوں مرتب ہوا۔ کش مکش کے اسباب کیا تھے۔ اور فتح و شکست کن عوامل کی بنا پر ہوئی۔ ان چیزوں کے پسِ منظر میں یہ واضح ہو سکے گا کہ زمانے کے گزرنے کے ساتھ عمل اور ردِ عمل، تاثیر اور تاثر اور تعاون اور کش مکش کا سلسلہ کس طرح جاری رہا۔

اگر اس دور کے عالمی احوال کا بیان ضروری ہے تو جزیرۂ عرب کے احوال سامنے لانا اور عرب کے تصورِ حیات کے ہر پہلو کی وضاحت اس سے زیادہ ضروری ہے۔ عرب اسلام کا اوّلین گہوارہ تھا۔ پھر وہ اس کی قوتوں کا مرکز رہا۔ اور اسی مرکز سے اسلام دوسرے ملکوں میں پھیلا۔

کیا یہ ایک اتفاقی امر تھا کہ یہ رسولؐ اس دین کو لے کر زمین کے اس مخصوص علاقہ میں ایک خاص زمانہ میں حاضر ہوا؟ یا ایسا شروع ہی سے ایک منصوبے کے تحت، ایک خاص ارادے کے ساتھ اور ایک قاعدہ اسکیم کے مطابق ہوا۔؟ تاکہ یہ سارے عوامل جس طرح یکجا ہوئے اسی طرح یکجا ہو کر تاریخِ انسانی میں ایک خاص حصہ ادا کریں۔ جس کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ دنیا کا نقشہ صفحۂ قرطاس پر بھی اور انسانی ذہنوں میں بھی اس طرح مرتب ہوا جیسا کہ بعد کی تاریخ نے ظاہر کیا

یہ بات ہمیں تاریخ کے اس ازلی سیاق میں خود محمد رسولؐ اللہ کی شخصیت کے مطالعہ کی طرف لے جاتی ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) غالباً آپؐ کی شخصیت، حسب و نسب، ماحول اور اس معاشرے کے روایات میں اور ان عوامل میں جو بحیثیت ایک فرد کے آپ کے گرد کام کر رہے تھے، پہلے سے ہی اس مقصد کے تحت سازگاری پیدا کی جا رہی تھی۔ یہ محض اتفاق نہ تھا کہ سارے انسانوں کے درمیان آپؐ کو اشارہ کیا گیا اور آپؐ نے اٹھ کر ایک عظیم آفاقی موقف اختیار کیا جس کی نظیر نہ ماضی میں ملتی ہے نہ مستقبل میں مل سکے گی۔ قبل اس کے کہ اس عظیم واقعے کی بنا پر آنے والے انقلابات و حوادث کا مطالعہ کیا جائے۔ ہمیں خود اس واقعہ کی نوعیت کا اور اس کلی تصور کا مطالعہ کرنا ہوگا جس کا یہ واقعہ حامل ہے۔

Marfat.com

اسلامی تاریخ اگر اس طرح مرتب کی جائے تو اس کے پڑھنے والے کے سامنے ظہورِ اسلام کے فوراً بعد کے دَور کے سارے واقعات کی ایک مکمل اور جامع تصویر آجائے گی اور وہ ردِّ عمل بھی سامنے آجائیگا جو ان احوال و واقعات سے معاشرہ پر مرتب ہوا۔ وہ اس ردِّ عمل کی صحیح تعبیر کر سکے گا اور ان کے بارے میں صحیح رائے قائم کر سکے گا۔

اس طرزِ تحقیق کی رو سے اشیاء و افراد اور واقعات اور زمانے کی گہرائیوں میں اُترنے اور اُن سے تاثر قبول کرنے کے عمل کا نام تاریخ قرار پائے گا۔ تاریخ قانونِ فطرت اور انسانیت کے اقدار سے مربوط ہو کر ایک زندہ ہستی اور زندگی کی ایک قوت بن جائے گی۔

جب تحقیق کا وہ منہاج اختیار کیا جائے گا جس کی ہم نے اوپر وضاحت کی ہے اور اس کے نتیجہ میں چند بنیادی قوتیں اور قدریں سامنے آجائیں گی تو تاریخ کا فہم، اس کے عمل اور صحیح عمل اور اسکے تدریجی ارتقاء کا مطالعہ آسان ہو جائے گا۔ یہ وہ بنیادی قدریں ہیں جو دعوتِ اسلامی کے مزاج، رسولؐ کے مزاج اور اس ماحول کے مزاج میں پائی جاتی تھیں۔ جس نے اس دعوت کو قبول کیا اور اس رسولؐ کا نیز مقدم کیا۔ یہ وہ قدریں اور تشکیلی قوتیں ہیں جو ظہورِ اسلام کے وقت انسانی برادری میں کارفرما تھیں اور ان افکار و عقائد پر حاوی تھیں جو اس وقت انسانوں میں رائج تھیں۔ ان قدروں اور قوتوں کی دریافت کے بعد یہ ممکن ہو جائے گا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دعوتِ اسلامی کے مختلف مراحل سے گزرنے کا ٹھیک ٹھیک نقشہ سامنے لایا جا سکے۔ یہ مراحل تشکیلی قوتوں اور ان کے باہم تاثیر و تاثر سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس طرح ہم اور اِس دَور کے دوسرے انسان یہ معلوم کر سکیں گے کہ رسولؐ نے اپنے کارکنوں کا انتخاب کس طرح کیا؟ یہ افراد کس مٹی کے بنے تھے۔؟ رسولؐ اللہ نے ان کی تربیت کس طرح کی اور انہیں اس عظیم مشن کی انجام دہی کے لئے کس طرح کیا؟ رسولؐ اللہ نے زندگی کی تعمیر کس طرح کی اور یہ تعمیر کن بنیادوں پر کی گئی تھی؟ کس طرح جزیرہ اس نئے دین یا نئے نظام کے گہوارہ میں تبدیل ہو گیا اہلِ عرب کے مزاج، احوال و ظروف، افراد اور خاندانوں میں نیز ان کے اجتماعی رشتوں، معاشی حالات اور جغرافیائی اور حیاتیاتی ساخت میں کون سے عناصر تھے جنھوں نے اس نئی بات پر لبیک کہنے یا اس کی مخالفت کرنے پر آمادہ کر دیا اور اس طرح کے دوسرے موضوعات جن پر روشنی ڈال کر ہم اسلامی زندگی یا تاریخِ اسلام کے

Marfat.com

دَور کی پوری تصویر سامنے لا سکتے ہیں۔ مذکورۂ بالا طرزِ تحقیق اختیار کرنے کے بعد بآسانی برتے جا سکتے ہیں۔ تاریخِ اسلامی کے اس پہلے مرحلہ کو "اسلام عہدِ رسالت میں" کا نام دینا زیادہ موزوں رہے گا۔

اِس مرحلے کے بعد دوسرا دَور آتا ہے جسے "اسلام کے پھیلاؤ" کا مرحلہ کہنا چاہیئے۔ یہ وہ دور ہے جس میں اسلام مشرق و مغرب ہر طرف پھیل گیا۔ وہ انوکھا فیض ہر طرف عام ہو گیا۔ جس کی قوت اور سُرعتِ فیضان کی دنیا میں کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی۔ یہ بات صرف فوجی فتوحات پر صادق نہیں آتی۔ بلکہ روحانی، فکری اور سماجی اثرات کے اعتبار سے بھی دُرست ہے۔ ساری انسانیت نے یہ دیکھ لیا کہ اس نئے دین کے ظہور اور اس کے حیرت انگیز پھیلاؤ کے نتیجہ میں تاریخ کا رُخ بالکل بدل گیا۔

ہمارے تجویز کردہ طریقِ مطالعہ کی اصل قدر و قیمت اِسی سیاق میں ظاہر ہوتی ہیں اس کے ذریعہ یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ ہم ان تعمیری اور تخریبی کاموں کا مطالعہ کر سکیں جو اسلام نے اپنے زیرِ اثر آجانے والے وسیع خطۂ زمین میں انجام دیئے۔ ہم یہ دریافت کر سکیں گے کہ زمین کے ان زرخیز ترین علاقوں اور اس زمانہ کے سب سے زیادہ متمدّن ملکوں میں جو افکار و عقائد چھائے ہوئے تھے۔ جو اجتماعی نظام قائم تھے، جو معاشی حالات پائے جاتے تھے، ماضی کی تاریخ نے ان کو جو ورثے دیئے تھے اور وہ جن انسانی رشتوں میں مربوط تھے ان کے اور اسلام کے درمیان تاثیر و تاثر کا کیا عمل انجام پایا۔

اسلام کا پھیلاؤ ان ہی حدود تک محدود نہیں رہا۔ جہاں تک اس کی فوجی فتوحات پہنچ سکیں۔ بلکہ اس کی بنائی ہوئی تہذیب اور فکری تحریک اسلامی دنیا کے باہر بھی پہنچی۔ اسلامی مملکت کے باہر اسلام کے پھیلاؤ کے اثرات کی تحقیق بہت اہم ہے۔ ہمیں یہ دریافت کرنا ہوگا کہ ان اثرات نے جواباً خود... عالم اسلامی کی زندگی کو کس طرح متاثر کیا۔ دنیا نے اسلام سے اخذ بھی کیا ہے اور اُسے کچھ دیا بھی ہے۔ اس سے متاثر بھی ہوئی ہے اور اس پر اثر انداز بھی ہوئی ہے۔ ہمارے تجویز کردہ طریقہ پر اس تاثیر و تاثر کا مطالعہ ایک ایسی تاریخ کی ترتیب عمل میں لائے گا جو اب تک مرتب نہیں کی جا سکی ہے۔ اس تاریخ میں ایک خاص جان ہوگی۔ اس کا ایک مخصوص مزاج ہوگا۔ اس کے ذریعہ انسانی دنیا کی اور اس کی زندگی کے عمل کی ایک نئی تصویر سامنے آئے گی جو اس تصویر سے مختلف ہوگی جسے اہلِ مغرب پیش کرتے رہتے ہیں اور جس کے ہم عادی ہو چکے ہیں۔

Marfat.com

اس کے بعد اسلام کا پھیلاؤ رک جانے کا دَور آتا ہے۔ مذکورہ بالا طرزِ تحقیق اور اسلامی تاریخ کے گزشتہ مراحل کے مطالعہ کی روشنی میں ہمارے لئے یہ ممکن ہوگا کہ ہم اس زوال کے اسباب بیان کر سکیں اور اس کے داخلی اور خارجی عوامل دریافت کر سکیں۔ اِن عوامل میں سے کون سے عوامل عقیدہ اسلامی اور نظامِ اسلامی کے مزاج میں شامل تھے، کون سے عوامل مسلمانوں نے خود پیدا کر دیئے تھے اور کون سے عوامل اسلام کے ردِّ عمل میں غیر اسلامی دنیا میں اُبھرے تھے۔ یہ زوال ہمہ جہتی تھا کہ جزئی، سطحی تھا یا گہرا۔ اس زوال کا اثر تاریخِ انسانی پر کیا پڑا، انسانی امور پر اسلام کی اثر اندازی میں کیا فرق واقع ہوا۔ اس سے فکر و عمل کے طریقوں اور بین الاقوامی تعلقات میں کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ان افکار و عقائد اور نظاموں کی قدر و قیمت کیا ہے جو انسانیت نے اسلامی افکار و عقائد اور نظاموں کے بالمقابل تراش لئے۔ اسلامی اثرات کے زوال اور ان یورپین اثرات کے عروج سے انسانیت نے کیا پایا، کیا کھویا جن کا سایہ اب ہم پر بھی پڑ رہا ہے۔

قدرتی طور پر اس کے بعد دورِ حاضر کے عالمِ انسانی پر گفتگو کی جانی چاہیے۔ یہ مطالعہ جذبات یا تعصّب و جانب داری کے ساتھ نہیں بلکہ واقعاتی بنیادوں پر کیا جانا چاہیئے۔ ہمارے طرزِ تحقیق کے نتیجہ میں انسانی تاریخ مسلسل اور مربوط ہو کر سامنے آئے گی۔ اس تاریخ میں ماضی اور حال میں اسلام کے واقعی حصّہ کی نشان دہی کی جائے گی۔ اور اس ماضی اور حال کی روشنی میں اس کے مستقبل پر بھی روشنی پڑے گی۔

اسلام کو عملاً وجود میں لانے کے لئے تیاری کے طور پر جو فکری کام کرنے ہیں ان کے سلسلہ میں یہ چند مجمل اشارات تھے۔ لیکن ان میں سے کوئی چیز بھی اس وقت تک کسی قدر و قیمت کی حامل نہ ہوگی جب تک اس زمین پر بسنے والے اہلِ ایمان اس حقیقت کو نہ پالیں کہ یہ دین ایک عقیدہ ہے جو الوہیّت کو اللہ سبحانہٗ کے لئے مخصوص جاننے لہٰذا صرف اسی حاکم کو تسلیم کرنے سے عبارت ہے، اور زندگی کا ایک طریقہ ہے جو ایک ایسے نظام سے عبارت ہے جو اس عقیدہ کا ترجمان ہو۔ ساتھ ہی ان کے لئے اس حقیقت کا ادراک بھی ضروری ہے کہ اسلام کا وجود موقوف ہو گیا ہے اور اوّلین کام یہ ہے کہ اسلام کو بطور عقیدہ از سرِ نو راسخ کیا جائے تاکہ وہ ایک نظام کی صورت میں قائم ہو سکے۔ انہیں اس امر کا بھی یقین ہونا چاہیئے کہ مستقبل اسی دین کے لئے ہے۔ اللہ ہمارا مددگار ہے۔

Marfat.com

باب نہم

دوراہے پر

Marfat.com

Marfat.com

دوراہے پر

اب سوال یہ ہے کہ ہم کدھر جائیں؟

ایک لمحہ کے لیئے ٹھہر کر ہمیں خود سے اِس سوال کا جواب حاصل کر لینا چاہیئے اور اپنی زندگی کو اِس سمت میں لے جانا چاہیئے جدھر ہم چاہتے ہوں۔

یکے بعد دیگرے دو جنگوں کے بعد آج دُنیا دو مستقل بلاکوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ مشرق میں اشتراکی بلاک اور مغرب میں سرمایہ دارانہ بلاک۔ بظاہر صورتِ حال یہی ہے۔ بہ زبان پنڈتی بات ہے اور یہ ذہن پر بھی نقش مرتب ہو چکا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک یہ تقسیم بالکل ظاہری اور سطحی ہے حقیقی نہیں۔ یہ تقسیم فلسفہ پر مبنی ہے نہ کہ اُصولوں پر۔ یہ سامانِ تجارت اور بازاروں کے لیئے جنگ ہے نہ کہ عقائد و افکار کی۔ اپنی ہیئت کے اعتبار سے امریکہ اور یورپ کا طرزِ فکر روسی طرزِ فکر سے ذرا بھی مختلف نہیں۔ دونوں نظاموں کے مادی نقطۂ نظر پر ایمان رکھتے ہیں۔ روس اشتراکی ہو چکا ہے۔ مگر یورپ اور امریکہ بھی اِس راہ پر جا رہے ہیں۔ یہ بات بالکل یقینی ہے کہ اگر کوئی خاص گڑبڑ نہ ہوئی تو وہ بھی اس منزل پر پہنچیں گے۔

آج مغرب پر جو مادی طرزِ فکر چھایا ہوا ہے وہ اخلاق کی بنا منفعت کو قرار دیتا ہے۔ اور مفادات اور تجارتی بازاروں کے بیچ ایک دوسرے کا گلا کاٹنا سکھاتا ہے۔ یہ فکر زندگی سے روحانی عنصر کو بے دخل کر دیتا ہے۔ اور نجوم کاہنوں میں نہ دریافت کیئے جا سکنے والے ایمان کا منکر ہے۔ یہ مجرد اعلیٰ مقاصد کا قائل نہیں اور فلسفۂ عملیت کی طرح اشیاء کی حقیقت کا وجود نہیں تسلیم کرتا۔ صرف ان کے عملی وظیفہ Function

Marfat.com

پر نگاہ رکھتا ہے۔ یہ طرزِ فکر بھی مارکسی مادیت کی ایک بدلی ہوئی شکل ہے۔

روس اور امریکہ کے فکر میں کوئی مزاجی فرق نہیں۔ فرق صرف ان کے معاشی اور سماجی حالات میں ہے۔ آج جو چیز ایک عام امریکی کو اشتراکی ہونے سے باز رکھتی ہے۔ وہ کوئی ایسا نظریۂ حیات نہیں جو حیات کائنات اور انسان کی مادی تعبیر کو غلط قرار دیتا ہو۔ بلکہ صرف یہ بات ہے کہ اس کے سامنے مالدار بننے کی مواقع کھلے ہوئے ہیں۔ اور مزدور کی اُجرت کی شرح بھی اونچی ہے۔

پس مشرقی اور مغربی بلاکوں کے درمیان کش مکش کی شدت سے ہمیں دھوکے میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے دونوں مادی نظریات کے حامل ہیں۔ اور یکساں فکری مزاج رکھتے ہیں۔ اُن کی کش مکش کسی اُصول یا نظریہ پر نہیں بلکہ اصل جنگ دنیا میں نفوذ اور بازار کے منافع کے لیئے ہے۔ اور وہ بازار خود ہم ہیں۔

حقیقی اور گہری کش مکش صرف اسلام اور ان دونوں بلاکوں کے درمیان ہے۔ یورپ، امریکہ، چین اور روس جس مادی فکر پر ایمان رکھتے ہیں اس کے مقابلے پر آنے والی واحد حقیقی قوتِ اسلام ہے۔ اسلام ہی کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں ایک ہمہ گیر اور ہم آہنگ فکر کا حامل ہے۔ وہ انسانی معاشرے میں کش مکش اور نزاع کی جگہ تکافل کی فضا پیدا کرتا ہے۔ وہ زندگی کو ایک روحانی تصور عطا کرتا ہے جو اسے آسمان پر فروکش خالق سے جا ملاتا ہے اور ساتھ ہی زمین پر اس کے رجحانات کی تعیین کرتا ہے۔ یہ تصورِ زندگی کو صرف مادی اغراض کی تکمیل کی مشین بنا کر نہیں رکھ دیتا۔ اگرچہ پیداواری سرگرمیاں اسلام کی عبادات میں سے ایک عبادت تسلیم کی گئی ہیں۔

درحقیقت تمام روحانی مذاہب جن میں مسیحیت پیش پیش ہے۔ امریکہ اور یورپ کی مادیت کو بھی اس طرح باطل سمجھتے ہیں جس طرح روس کی اشتراکی مادیت کو، کیونکہ دونوں کا مزاج ایک ہے اور زندگی کے روحانی تصور کے منافی ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ مسیحیت کو ایسی ثبت قوت شمار نہیں کیا جاتا جو جدید مادی افکار کا مقابلہ کر سکتی ہو۔ مسیحیت ایک انفرادی، گوشہ گیر اور سلبی مذہب بن چکی ہے۔ اس کے زیرِ سایہ زندگی کو دائمی اور فعال نشوونما نہیں نصیب ہو سکتا۔ پشتہا پشت سے وہ عملی زندگی کا ساتھ دینے اور اس پر حکمرانی کرنے سے قاصر رہی ہے۔ کیونکہ کلیسا اور مقدس کانفرنسوں نے اسے جو شکل دے دی ہے اس شکل میں وہ زندگی کے عملی تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

بلا کسی جھجک کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مسیحیت اپنی اس شکل میں جو اسے بالآخر دے دی گئی ہے

Marfat.com

ہر آن متغیر معاشی اور سماجی نظاموں کے قدم بہ مقدم نہیں چل سکتی۔ کیونکہ اپنی اصل کے اعتبار سے وہ عملی زندگی کے بارے میں کوئی جامع نظریہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس اسلام ایک کامل آفاقی نظام ہے جس میں عقیدہ بھی ہے۔ اور قانون بھی۔ وہ سماجی اور معاشی زندگی کی تنظیم ضمیر اور قانون دونوں کے ذریعہ عمل میں لاتا ہے۔ اس کا یہ نظام جزئیات اور اصولوں کی تطبیق میں نشوونما کی پوری صلاحیت رکھتا ہے ـــــ

وہ انسانیت کو کائنات وحیات کے بارے میں ایک جامع ہمہ گیر اور مکمل فکر عطا کرتا ہے۔ اور معاشرہ کو ایک عملی اور حقیقت پسند نظام اور ایک ایسی تفصیلی شریعت دیتا ہے جو معاشرہ کی بدلتی ہوئی ضروریات کے مطابق نئے فروعی احکام پیش کرنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے۔

اسلام اپنے نظام کی بنیاد ایک ایسے جامع تصورِ زندگی پر رکھتا ہے جو مادی طرزِ فکر کی یکسر نفی کر دیتا ہے۔ وہ عمل کی بنیاد روحانی اور اخلاقی عنصر پر رکھتا ہے اور فوری منفعت کے نظریہ کو باطل قرار دیتا ہے۔ اس طرح وہ بیک وقت مشرقی اور مغربی دونوں بلاکوں میں چھائی ہوئی مادی عقلیت کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ وہ زندگی کو ان پست مقامات کی غلامی سے نکال کر آج جن کو یورپ، امریکہ اور روس سب یکساں طور پر اپنا آئیڈیل بناتے ہیں۔ بلند مقامات کی طرف لے جاتا ہے۔

اِس سرسری جائزہ سے واضح ہے کہ مستقبل میں حقیقی ٹکراؤ سرمایہ داری اور اشتراکیت یا مشرقی اور مغربی بلاکوں کے درمیان نہیں۔ بلکہ دنیا پر چھائی ہوئی مادیت اور اسلام کے درمیان ہوگا۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ معنی خیز اور درست ہوگا کہ یہ کش مکش بندگی کو صرف اللہ کا حق قرار دے کر انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر صرف اللہ کا بندہ بنانے والے نظام اور ان سارے انسانی نظاموں کے درمیان ہوگی جو بندوں کی بندگی کرنے پر مبنی ہیں۔ مشرقی اور مغربی دونوں بلاک اس حقیقت سے آگاہ ہیں اور اپنے باہمی اختلافات اور آویزشوں کے باوجود دونوں مل کر ہر جگہ احیاءِ اسلام کی تحریکوں کو کچلنے اور اسلام پر ہر طرف سے حملے کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ بات اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کو خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے۔ تاکہ وہ مختلف بلاکوں اور نظامہائے زندگی کے درمیان ظاہری کش مکش سے دھوکہ نہ کھائیں۔ اسلام ہی وہ حقیقی قوت ہے جسے دونوں بلاک اہمیت دیتے ہیں، اہلِ اسلام کو اس حقیقت کے شعور کے ساتھ اپنا طریق کار طے کرنے کی ضرورت ہے۔

احیاءِ اسلام کی تحریکیں ایک دوراہے پر کھڑی ہیں۔ صحیح راستہ پر صحیح قدم اُٹھنے کا انحصار

Marfat.com

اس بات پر ہے کہ یہ بنیادی شرط واضح ہو جائیے کہ اسلام موجود ہے یا نہیں موجود ہے۔ ان تحریکوں کو یہ مان لینا چاہیئے کہ آج اسلام کا وجود موقوف ہو چکا ہے اور اس حقیقت سے اتنا خائف نہ ہونا چاہیئے کہ اسے دیکھنے اور تسلیم کرنے سے انکار کر دیں۔ ان تحریکوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ ان کا مقصد اسلام کو ازسرِ نو وجود میں لانا ہے۔ یا یہ کہنا زیادہ دُرست ہوگا کہ اسلام کا وُجود عارضی طور پر موقوف ہو گیا ہے اور اُسے دوبارہ وجود میں لانا مقصود ہے۔

ایک راہ یہ ہے اور دوسری راہ یہ ہے کہ ـــــ ایک لمحہ کے لیئے بھی ـــــ یہ تحریکیں یہ سمجھ بیٹھیں کہ اسلام قائم ہے اور وہ لوگ جو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور مسلمانوں جیسے نام رکھتے ہیں عملاً بھی مسلمان ہیں۔ نیز یہ کہ ساری دنیا میں جو سیکولر طریقے رائج ہیں، مثلاً اتاترک کا رائج کردہ نظام یا اسی طرح کے دوسرے نظام، وہی اسلامی طور طریقے بھی ہیں۔ جیسا کہ ولفرڈ کینٹویل اسمتھ اور اُن جیسے دوسرے لوگ اور اُن سے فریب کھانے والے اور ان کی طرح فریب دینے والے افراد عوام کو باور کرانا چاہتے ہیں۔

ایک راستہ یہ ہے اور ایک راستہ وہ ہے اور احیاءِ اسلام کی تحریکیں آج اسی دوراہے پر کھڑی ہیں۔ اگر وہ پہلے راستہ پر قدم بڑھاتی ہیں۔ تو اللہ کی اور ہدایتِ الٰہی کی راہ پر آگے بڑھیں گی۔ اور یہ سمجھ کر آگے بڑھیں گی کہ آج خود اسلام کا وجود موقوف ہے۔ اور انہیں بعینہٖ آج وہی کام کرنا ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پہلی مسلمان جماعت کے پیشِ نظر تھا۔ انہیں جان لینا ہوگا کہ انہیں بھی اسی طرح کا ظلم و ستم سہنا پڑے گا۔ جس طرح اللہ کے رسولؐ اور ان کے صحابہؓ پر کیا گیا تھا۔ ان ہی کی طرح صبر و استقلال سے کام لینا ہوگا۔ پھر اسی طرح اللہ کی نصرت و تائید حاصل ہوگی اور بالآخر زمین پر غلبہ نصیب ہوگا۔

اگر وہ اس دوسری راہ پر چلتے ہیں جو مسٹر ولفرڈ کینٹویل اسمتھ، ان سے فریب کھانے والے اور اُن کی طرح فریب دینے والے دکھلا رہے ہیں تو وہ ایک سرابِ محض کے پیچھے دوڑیں گے۔ اس سراب میں دُور سے چند عمامے ضرور نظر آئیں گے جو بانوں کو ان کے اصل منشاء سے پھیرتے اور آیاتِ الٰہی کو تھوڑے دام بیچتے ہوں گے۔ یہ لوگ مسجد ضرار، جیسے مراکز قائم کر کے اُن پر اسلام کا جھنڈا بلند کریں گے اور فسق و فجور کے اڈوں پر اسلامی پرچم لہرائیں گے۔

آج اسلام کی سربلندی چاہنے والی تحریکیں زمین کے کونے کونے میں پھیل چکی ہیں۔ صلیبیت اور صہیونیت

Marfat.com

ان تحریکوں کو مٹانے کے لیے جو حالات پیدا کر رکھے ہیں اور جو ادارے قائم کر رکھے ہیں ان کے علی الرغم
یکیں آج یورپ اور امریکہ میں صلیبیت کو اس کے مراکز میں چیلنج کر رہی ہیں، اور ایشیا اور افریقہ میں
لِ عام حاصل کر رہی ہیں۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تحریکیں پُرفریب سراب کے پیچھے جا پڑیں ۔ اور
ممکن ہے کہ وہ صحیح راہ اختیار کریں۔ اللہ عزوجل سے امید ہے اور ہم اس کے لیے دست بدُعا ہیں کہ
ھوں کو حقیقتِ واقعہ کے دیکھنے اور دلوں کو حق بات سمجھنے کی توفیق دے۔ اللہ ہی راہ دکھانے والا اور
توفیق دینے والا ہے اور وہی ہمارا مددگار ہے۔

محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم

مؤلفہ:

اسلام نعیمی

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ انقلابی نقطۂ نظر سے، جسمیں حضورؐ کی اعلیٰ درجہ کی قائدانہ صلاحیت ○ خداداد سیاسی بصیرت ○ حکیمانہ تشریع و اصلاحات اعلیٰ ترین روایات، عدل و انصاف کا دلآویز اور پاکیزہ عکس پیش کیا گیا ہے ○ سیرتِ محمدیؐ کے مستند واقعات ایک نئے انداز میں۔ اُردو میں ایک منفرد کتاب۔ حصّہ اوّل و دوم یکجا جلد میں۔

قیمت: ۳۳/۵۰ روپے

مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی

مسلم

Marfat.com

اسلام میں عدل اجتماعی

Marfat.com